اللھم صل علی محمد و آل محمد

ہمارے عقائد

مصنّفہ

آیت اللہ ناصر مکارم شیرازی

اہتمام

پروفیسر علامہ غلام صابر

مصباحُ الدُّجیٰ یونیورسٹی نیاز بیگ (ٹھوکر) لاہور پاکستان

www.mu.edu.pk E-Mail: misbahudduja@yahoo.com

Phone: 042-36127790 0300-7473505

کتاب .... ہمارے عقائد

مصنفہ .... آیۃ اللہ ناصر مکارم شیرازی

اہتمام .... پروفیسر علامہ غلام صابر

کمپیوٹر انجینئرز .... ضیغم علی، شوذب علی، شواب علی

کمپوزنگ .... سیدہ انعم نقوی، سلویا بتول، علیہ زینب، فضہ بتول، عظمت رانی، غلام صغریٰ، ابیہا فاطمہ

زیر نگرانی: شمسہ زہراء ، سیدہ فرزانہ نقوی

تاریخ اشاعت .... 10 فروری 2011ء

تعداد 1100

ہدیہ ....

یونیورسٹی کے تمام پروگرامز کی تفصیلات، لیکچرز، داخلے، امتحانی نتائج، تازہ ترین خبریں، نوحے، مجالس، اسلامک موویز، اسلامک لائبریری، مقامات مقدسہ کی تصاویر اور دیگر ملکی و بین الاقوامی اسلامی معلومات کے لیے ہماری ویب سائٹ اور TV چینل ضرور وزٹ کریں: **www.mu.edu.pk**

www.tv.mu.edu.pk www.books.mu.edu.pk

Join us on Facebook:

www.facebook.com/muedupk

﴿ پیغام ﴾

آؤ اپنے بچوں کو حضرت امام زمانہ (عج) علیہ السلام کے استقبال کے لیے تیار کریں اور انہیں بتائیں کہ دین حق کیا ہے تاکہ وہ اس آئی ٹی کے دور میں مخالفین کی تبلیغی یلغار سے محفوظ رہ سکیں ورنہ یہ نسل ہمیں معاف نہیں کرے گا اور روز محشر محمد و آل محمد علیہ السلام کو جوابدہ ہوں گے۔

آغا سید سیدین موسوی

چانسلر مصباح الدجی یونیورسٹی

﴿ہدیۂ تشکّر﴾

ہم ممنون ہیں جناب محترم مکرم چانسلر آغا سید سیدین موسوی صاحب کے جن کی دینی اور قومی گراں قدر خدمات لائق تحسین ہیں۔علوم محمد وآل محمد علیہم السلام کی ترویج وترقی کے لیے مصباح الدجیٰ یونیورسٹی کے پروگرامز اور کتب کی طباعت اور اشاعت میں ان کی خصوصی رہنمائی اور معاونت سے پیغام حسینیؑ پاکستان اور دیگر ممالک میں پہنچ رہا ہے۔ خداوند متعال صدقۂ چہاردہ معصومینؑ ان کے رزق میں وسعت و برکت عطا فرمائے۔ان کے والدگرامی زینة العارفین والروحانیین عامل کشمیر آغا سید حسین شاہ عفی عنہ اور والدہ گرامی عفی عنہا اور بھائی ڈاکٹر آغا سید سبطین موسوی عفی عنہ اور دیگر مرحومین کو جنت فردوس اور جوار آئمہ اطہار علیہم السلام میں اعلی مقام عطا فرمائے۔

جناب محترم سید عقیل اصغر صاحب کا بھی ہم شکریہ ادا کرتے ہیں۔یونیورسٹی کے تبلیغی اور اشاعتی پروگرامز میں جن کی خدمات قابل قدر ہیں یقیناً ان کی اس اعلیٰ تربیت کا کریڈٹ ان کے والدین کو جاتا ہے خصوصاً ان کی والدہ محترمہ سیدہ شائستہ بانو صاحبہ کو۔ جنہوں نے اپنی زندگی بھی سیدہ فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیھا کی کنیزی میں وقف کی ہوئی ہے۔اپنی اور اپنے بچوں کی ہر خوشی اور غم کو بھلا کر محمد وعلوم محمد وآل محمد علیہم السلام کی خوشی اور غم کو منانے میں پیش پیش نظر آتی ہیں۔ پروردگار صدقۂ چہاردہ معصومینؑ ان کے رزق میں برکت عطا فرمائے اور انہیں سوائے غم حضرت امام حسین علیہ السلام کوئی غم نہ دے۔

دعا گو: پروفیسر غلام صابر

فہرست

☆	مقصد و پیغام	10
☆	**باب اوّل :** خداشناسی	13
1	قادر متعال کا وجود	13
2	اس کی جمالی و جلالی صفات	14
3	اس کی ذات پاک لامتناہی ہے	15
4	وہ جسیم نہیں ہے اور ہرگز دکھائی نہیں دیتا	16
5	تمام اسلامی تعلیمات کی روح توحید ہے	18
6	توحید کی اقسام (الف) توحید ذات (ب) توحید صفات	19
	(ج) توحید افعال (د) توحید عبادت	21
7	معجزات انبیاء خدا کی طرف سے ہیں	21
8	خدا کے فرشتے	22
9	عبادت خدا کے لئے مخصوص ہے	23
10	ذات خداوندی کی حقیقت سب پر مخفی ہے	24
11	نہ نفی نہ تشبیہ	25
☆	**دوسرا باب:** انبیاء الٰہی کی نبوت	26
12	بعثت انبیاء کا مقصد	26

13	ادیان آسمانی کے پیروکاروں کے ساتھ پرامن رہن سہن	27
14	انبیاء کا تاحیات معصوم ہونا	28
15	وہ خدا کے مطیع بندے ہیں	29
16	معجزے اور علم غیب	30
17	انبیاء کا مقام شفاعت	31
18	توسل	32
19	انبیاءؑ کی دعوت کے بنیادی اصول ایک ہیں	33
20	سابقہ انبیاءؑ کی پیشگوئیاں	34
21	انبیاء اور زندگی کے تمام پہلوؤں کی اصلاح	34
22	قومی اور نسلی امتیازات کی نفی	35
23	اسلام اور انسانی فطرت	36
☆	**تیسرا باب :** قرآن اور آسمانی کتابیں	37
24	آسمانی کتابوں کے نزول کا فلسفہ	37
25	قرآن، پیغمبر کا سب سے بڑا معجزہ	38
26	عدم تحریف	39
27	انسان کی مادی و معنوی ضروریات اور قرآن	41
28	تلاوت، تدبر، عمل	42
29	گمراہ کن مباحث	43

30	تفسیر قرآن کے اصول وضوابطہ	44
31	تفسیر بالرائے کے خطرات	45
32	سنت کا سرچشمہ، کتاب اللہ ہے	47
33	آئمہ اہل بیتؑ کی سنت	48
☆	**چوتھا باب: قیامت موت کے بعد دوسری زندگی**	50
34	قیامت کے بغیر زندگی بے مقصد ہے	50
35	قیامت کے دلائل واضح ہیں	51
36	معاد جسمانی	53
37	موت کے بعد کی عجیب دنیا	54
38	قیامت اور نامہ اعمال	55
39	قیامت کے گواہ	56
40	پل صراط اور میزان اعمال	56
41	قیامت کے دن شفاعت	58
42	عالم برزخ	60
43	مادی اور معنوی صلے	61
☆	**پانچواں باب: امامت**	63
44	ہر دور میں امام موجود رہا ہے	63
45	امامت کیا ہے؟	64

46	امام گناہ اور غلطی سے معصوم ہے	65
47	امام شریعت کا محافظ	65
48	امام،لوگوں میں سب سے زیادہ اسلام سے آگاہ ہے	66
49	امام کو منصوص ہونا چاہیے	66
50	اماموں کا تعین، رسول خداؐ کے ذریعے	67
51	پیغمبر اکرمؐ کے ذریعے حضرت علیؑ کا تعین	68
52	ہر امام کی تاکید، اپنے بعد والے امام کے بارے میں	70
53	حضرت علیؑ سب صحابہ سے افضل ہیں	71
54	صحابہ، عقل اور تاریخ کی عدالت میں	72
55	اہل بیتؑ کے علوم پیغمبرؐ سے ماخوذ ہیں	74
☆	**چھٹا باب: مختلف مسائل**	77
56	حسن و قبح کا مسئلہ	77
57	عدل الٰہی	78
58	انسان کی آزادی	78
59	فقہ کا ایک مآخذ عقل ہے	79
60	عدل الٰہی پر ایک اور نظر۔ تکلیف مالا یطاق کی نفی	80
61	المناک حادثات کا فلسفہ	81
62	کائنات کا نظام، سب سے بہترین نظام ہے	82

63	فقہ کے چار مآخذ	83
64	اجتہاد کا دروازہ، ہمیشہ کے لئے کھلا ہوا ہے	84
65	قانون سازی کی ضرورت نہیں	84
66	تقیہ اور اس کا فلسفہ	86
67	تقیہ کہاں حرام ہے؟	88
68	اسلامی عبادات	88
69	دو نمازوں کو ساتھ پڑھنا	89
70	خاک پر سجدہ	90
71	انبیاء اور آئمہ کے مزاروں کی زیارت	91
72	مراسم عزاداری کا فلسفہ	92
73	متعہ	95
74	تاریخ تشیع	98
75	شیعت کے مراکز	100
76	میراث اہل بیت علیہم السلام	102
77	دو عظیم کتابیں	103
78	اسلامی علوم میں شیعوں کا کردار	105
79	سچائی، صداقت اور امانت اسلام کے مہم ارکان	106
80	حرف آخر	107

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اس کتاب کی تصنیف کا مقصداور اس کا پیغام

ا۔ ہم عصر حاضر میں ایک عظیم تبدیلی کا مشاہدہ کرر ہے ہیں۔اس تحول اور تبدیلی کا سرچشمہ آسمانی ادیان میں سے ایک عظیم دین (دین اسلام) ہے۔

ہمارے زمانے میں اسلام نے ایک نئی زندگی حاصل کی ہے۔دنیا کے مسلمان بیدار ہو چکے ہیں اور اپنے اصلی محور کی طرف لوٹ رہے ہیں۔ان کی وہ مشکلات جن کا حل انہیں کہیں اور نہیں ملا۔وہ انہیں اسلامی تعلیمات اور اس کے اصول وفروع میں تلاش کرر ہے ہیں۔

اس تبدیلی کا سبب کیا ہے؟ یہ ایک الگ موضوع ہے۔جو چیز یہاں حامل اہمیت ہے۔وہ اس نکتے سے باخبر ہونا ہے کہ اس عظیم تبدیلی کے اثرات تمام اسلامی ممالک بلکہ غیر اسلامی ممالک میں بھی نمایاں ہورہے ہیں۔اس لئے دنیا کے بہت سے لوگ یہ جاننے کے خواہاں ہیں کہ اسلام کیا کہتا ہے اور دنیا کے لوگوں کے لئے اس کے پاس کون سا نیا پیغام ہے۔ان نازک حالات میں ہماری یہ ذمہ داری ہے کہ اسلام کا تعارف اس طریقے سے کرائیں جس طرح وہ ہے اور اس میں اپنی طرف سے کسی چیز کا اضافہ نہ کریں۔یہ تعارف واضح اور عام فہم انداز میں ہونا چاہیے۔ہمیں چاہئے کہ اسلام اور اسلامی مذاہب سے آگاہی کی جو تشنگی لوگوں کے اندر پائی جاتی ہے اسے حقیقت کا اظہار کر کے دور کریں اور اس بات کی اجازت نہ دیں کہ ہماری جگہ دوسرے بولیں اور ہماری جگہ وہ فیصلہ کریں۔

۲۔ اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ دوسرے ادیان کی طرح اسلام میں بھی مختلف فرقے پائے جاتے ہیں جن میں سے ہرایک نظریاتی اور عملی مسائل میں الگ الگ

خصوصیات کا حامل ہے لیکن یہ اختلافات اس حد تک ہرگز نہیں ہیں کہ وہ اس دین کے پیروکاروں کے درمیان باہمی تعلقات اور تعاون کی راہ میں رکاوٹ بنیں بلکہ وہ اپنے تعاون اور تعلقات کے ذریعے مشرق و مغرب سے اٹھتے ہوئے طوفانوں کے مقابلے میں اپنے وجود کی حفاظت کر سکتے ہیں اور اپنے مشترکہ دشمن کو اس بات سے روک سکتے ہیں کہ وہ اپنی سازشوں کو عملی جامہ پہنا سکے۔ اس ذہنی ہم آہنگی کو وجود میں لانے، اس کی تقویت اور اس کی بنیادیں مضبوط کرنے کے لیے یقینی طور پر چند اصولوں اور ضوابط کی پاسداری ضروری ہے جن میں سب سے اہم یہ ہے کہ اسلامی فرقے ایک دوسرے کو اچھی طرح سمجھیں تاکہ ہر ایک کی خصوصیات دوسروں کے لئے واضح ہوں کیونکہ ایک دوسرے کو اچھی طرح پہچان کر ہی بدگمانیوں کا سدباب کیا جا سکتا ہے اور تعاون کی راہ ہموار کی جا سکتی ہے۔

ایک دوسرے کو پہچاننے کا سب سے بہترین ذریعہ یہ ہے کہ ہر مذہب کے نزدیک اسلام کے اصول و فروع سے متعلق نظریات اس فرقے کے نامور اور جید علماء سے حاصل کیے جائیں۔ کیونکہ اگر اس سلسلے میں غیر آگاہ لوگوں سے رابطہ کیا جائے یا ایک فرقے کے عقائد اس کے دشمنوں سے پوچھے جائیں تو ذاتی پسند اور ناپسند مقصد تک پہنچنے کی راہ مسدود کر دے گی اور باہمی تفاہم جدائی اور بے اعتمادی میں تبدیل ہو جائے گا۔

۳۔ مذکورہ بالا دونوں نکات کے پیش نظر ہم نے یہ عزم کیا کہ اصول اور فروع میں اسلامی عقائد کا تذکرہ شیعہ مذہب کی خصوصیات کے ساتھ اس مختصر سی کتاب میں کریں اور ایک ایسی تصنیف سامنے لائیں جو درج ذیل خصوصیات کی حامل ہو۔

(۱) تمام ضروری مطالب کا خلاصہ اور نچوڑ اس میں بیان کیا جائے اور صاحب تحقیق قارئین کے کندھوں سے متعدد کتابوں کے مطالعہ کا بوجھ کم کر دیں۔

(۲) مطالب واضح ہوں اور ان میں کسی قسم کا ابہام نہ ہو۔ یہاں تک کہ ان اصطلاحات کے

استعمال سے بھی گریز کیا جائے جو فقط علمی ماحول یا دینی علوم کے مراکز میں مستعمل ہوں ساتھ ساتھ اس بات کا بھی خیال رکھا جائے کہ یہ کام ابحاث کو سطحی بنانے کا موجب نہ بنے

(۳) اگر چہ یہاں ہمارا مقصد عقائد کا ذکر ہے نہ کہ ان کے دلائل کا بیان، لیکن بعض اہم مقامات پر اس مختصر تحریر کے اسلوب کو مدنظر رکھتے ہوئے ابحاث کو کتاب، سنت اور عقلی دلائل سے مزین کیا گیا ہے۔

(۴) ہر قسم کی پردہ پوشی لیپ پوت اور پہلے سے کئے گئے فیصلے سے خالی ہو۔ تا کہ حقائق اس انداز میں بیان ہوں جس طرح وہ ہیں۔

(۵) تمام فرقوں کے احترام کے سلسلے میں قلم کے تقدس اور عفت کو تمام مباحث میں ملحوظ خاطر رکھا جائے۔

موجودہ کتاب مندرجہ بالا نکات کو مدنظر رکھتے ہوئے بیت اللہ الحرام کے سفر کے دوران (جب روح اور دل پاکیزگی سے معمور ہوتے ہیں) لکھی گئی ہے۔ اس کے بعد متعدد نشستوں میں چند علماء کے ساتھ اس پر بحث و تحقیق کی گئی۔ اس طرح یہ کتاب پایہ تکمیل کو پہنچی۔ ہم امید کرتے ہیں کہ اوپر جن اہداف کا تذکرہ کیا گیا ہے ان کے حصول کے لئے یہ کتاب مفید واقع ہوگی اور آخرت کے لئے یہ ایک ذخیرہ ہوگی۔ ہم خدا کے حضور دست بدعا عرض کرتے ہیں:

رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِیْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّئَاتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ (سورۃ آل عمران آیت ۱۹۳)

ناصر مکارم شیرازی

مدرسہ الامام امیر المؤمنین قم

محرم الحرام ۱۴۱۷ھ

پہلا باب

خدا شناسی اور توحید

۱۔ قادر متعال کا وجود:

ہمارا عقیدہ ہے کہ خدا پوری کائنات کا خالق ہے اس کی عظمت، علم اور قدرت کے آثار کائنات کی تمام موجودات کی جبیں پر نمایاں اور واضح ہیں۔ یہ آثار ہمارے وجود میں، جانداروں اور نباتات کی دنیا میں، آسمان کے ستاروں میں، عالم بالا میں، غرض ہر جگہ آشکار ہیں۔

ہمارا عقیدہ ہے کہ موجودات عالم کے اسرار میں ہم جس قدر غور وفکر سے کام لیں اسی حساب سے اس ذات پاک کی عظمت، اس کے علم اور قدرت کی وسعت سے باخبر ہوتے جائیں گے۔ علم ودانش کی ترقی کی بدولت روز بروز اس کے علم اور حکمت کے نئے دروازے ہم پر کھلتے جاتے ہیں۔ یہ ہماری فکر کو نئی راہیں عطا کرتے ہیں۔ یہ افکار اس ذات حق سے ہمارے والہانہ عشق کا سرچشمہ ثابت ہوں گے اور لحظہ بہ لحظہ اس ذات مقدس سے ہمارے قرب کا باعث نیز اس کے نور جلال و جمال میں ہمیں غرق کردینے کا باعث ہوں گے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے کہ ''وَفِی الْاَرْضِ اٰیٰاتٌ لِّلْمُوْقِنِیْنَ ٥ وَفِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ٥'' یعنی یقین کے متلاشی لوگوں کے لئے زمین میں نشانیاں ہیں اور خود تمہارے وجود میں (بھی نشانیاں ہیں) کیا تم دیکھتے نہیں ہو؟ (سورہ ذاریات آیت ۲۱،۲۰)

ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے: ''اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰاتِ وَ الْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّھَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ٥ الَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیٰمًا

وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ ج رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلاً ج" یعنی بے شک آسمانوں اور زمین کی خلقت میں اور دن اور رات کے آنے جانے میں عقل مندوں کے لئے (واضح) نشانیاں ہیں، ان لوگوں کے لئے جو خدا کو کھڑے ہوکر، بیٹھے ہوئے اور پہلو بل لیٹے ہوئے یاد کرتے ہیں۔ نیز آسمانوں اور زمین کی خلقت کے رازوں میں غور وفکر کرتے ہیں (اور کہتے ہیں) خدایا تو نے انہیں ہرگز فضول پیدا نہیں کیا۔ (سورۃ آل عمران آیات ۱۹۱،۱۹۰)

۲۔ اس کی جمالی وجلالی صفات :

ہمارا عقیدہ ہے کہ خدا کی ذات ہر عیب ونقص سے پاک اور تمام کمالات سے آراستہ ہے۔ بلکہ وہ تو کمال مطلق اور مطلق کمال ہے۔ بالفاظ دیگر اس دنیا میں موجود ہر قسم کے کمال وجمال کا سرچشمہ اس کی ذات پاک ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے: هُوَ اللّٰهُ الَّذِىْ لَآاِلٰهَ اِلَّاهُوَ ج اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ط سُبْحَانَ اللّٰهِ عَمَّايُشْرِكُوْنَ o هُوَاللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰى ط يُسَبِّحُ لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ج وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ o یعنی اللہ تعالی وہ ہے کہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ حاکم اور اصلی مالک وہی ہے۔ وہ ہر عیب اور نقص سے بری ہے، کسی پر ظلم نہیں کرتا، امان دینے والا ہے، سب چیزوں کا نگہبان ہے اور ناقابل شکست طاقت ہے جو اپنے موثر ارادے کے ذریعے ہر امر کی اصلاح کرتا ہے۔ وہ عظمت کے لائق ہے اور وہ منزہ ہے ان چیزوں سے جن کو لوگ اس کا شریک قرار دیتے ہیں۔ وہ ایسا خدا ہے جو پیدا کرنے والا ہے اور ایسا موجد ہے جس کی مثال نہیں ملتی۔ نیز وہ صورتوں کا بنانے والا ہے۔ اس کے اچھے اچھے نام ہیں (اور ہر طرح کی صفات کمال)۔ آسمانوں اور زمین میں ہر چیز اس کی تسبیح کرتی ہے اور وہ عزیز وحکیم ہے۔ (سورۃ حشر آیات ۲۴،۲۳) یہ تھیں اس کی بعض صفات جمالی وجلالی۔

۳۔اس کی ذات پاک لامتناھی ھے :

ہمارا عقیدہ ہے کہ اس کی ذات ہر لحاظ سے لامحدود ہے خواہ علم وقدرت کے لحاظ سے ہو یا ازلی وابدی ہونے کے لحاظ سے ۔اسی لئے زمان ومکان اس کا احاطہ نہیں کر سکتے ، کیونکہ زمان ومکان خواہ کیسے بھی ہوں بہرحال محدود ہیں لیکن اس کے باوجود وہ ہر جگہ اور ہر زمانے میں موجود ہے کیونکہ وہ زمان ومکان سے ماوراہے۔

ارشاد ہوتا ہے: ''وَهُوَ الَّذِیْ فِی السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّ فِی الْاَرْضِ اِلٰهٌ ط وَهُوَ الْحَكِیْمُ الْعَلِیْمُ ○'' یعنی وہ ایسی ذات ہے جو آسمان میں معبود ہے اور زمین میں بھی اور وہ حکیم وعلیم ہے۔(سورہ زخرف آیت ۸۴)

ایک اور جگہ پر ارشاد ہوتا ہے: ''وَهُوَ مَعَكُمْ اَیْنَ مَا كُنْتُمْ ط وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ'' یعنی وہ تمہارے ساتھ ہے خواہ تم جہاں بھی ہو اور جو کچھ تم کرتے ہو خدا اس سے آگاہ ہے(سورۃ حدید آیت ۴)

ہاں !وہ ہم سے زیادہ ہمارے نزدیک ہے اور ہماری روح کے اندر ہے۔وہ ہر جگہ ہے اس کے باوجود وہ مکان سے بے نیاز ہے۔ ''وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ○'' یعنی ہم اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں۔(سورۃ ق آیت ۱۶)

نیز ارشاد ہوتا ہے: ''هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ج وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ○'' یعنی وہ اوّل ہے۔وہ آخر ہے۔وہ ظاہر ہے۔وہ باطن ہے اور ہر چیز سے آگاہ ہے۔ (سورہ حدید، آیت ۳)

لہٰذا اگر ہم قرآن مجید کی آیات میں یہ دیکھتے ہیں ''ذُوالْعَرْشِ الْمَجِیْدُ ○'' یعنی صاحب عرش اور عزت ومجد ہے (سورہ بروج ،آیت ۱۵) تو یہاں عرش سے مراد تخت شاہی نہیں ہے۔اسی طرح اگر ہم ایک دوسری آیت میں یہ دیکھتے ہیں: ''اَلرَّحْمٰنُ عَلَی

الْعَرْشِ اسْتَوٰی ''یعنی خدائے رحمٰن عرش پر ٹھہرا ہوا ہے[1] (سورہ طہٰ آیت ۵) تو اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ اس کے لئے کوئی جگہ مخصوص ہے۔ بلکہ یہ مادی دنیا اور ماوراء الطبیعی دنیا اس پر اس کی حکمرانی کا اعلان کر رہی ہے کیونکہ اگر ہم اس کے لئے کسی خاص جگہ کے قائل ہوں تو گویا ہم نے اسے محدود کر دیا اور اسے مخلوق کی صفات کا حامل قرار دیا اور اسے بھی دیگر اشیاء کی طرح قرار دیا حالانکہ '' لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ '' یعنی کوئی چیز اس کی مثل نہیں (سورہ شوری آیت ۱۱)

'' وَلَمْ يَكُنْ لَّهُ كُفُواً اَحَدٌ ٥ '' اس کا کوئی کفو اور ہمسر نہیں ہے (سورہ توحید آیت ۴)

٤۔ وہ جسیم نہیں ہے اور ہرگز دکھائی نہیں دیتا :

ہمارا عقیدہ ہے کہ خدا ہرگز آنکھوں کے ذریعے دکھائی نہیں دے سکتا کیونکہ آنکھ سے دکھائی دینے کا مطلب یہ ہے کہ وہ جسم رکھتا ہے، جگہ کا محتاج ہے، رنگ وشکل کا حامل ہے اور جہت رکھتا ہے۔ یہ سب مخلوقات والی صفات ہیں اور خداوند متعال اس بات سے ماوراء ہے کہ اس میں مخلوقات والی صفات پائی جائیں۔

بنابرین رؤیت خدا پر اعتقاد رکھنا ایک قسم کا شرک ہے: '' لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ز وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ج وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ ٥ '' یعنی آنکھیں اسے نہیں دیکھتی لیکن وہ آنکھوں کو دیکھتا ہے اور وہ مہربان وآگاہ ہے۔ (سورہ انعام آیت ۱۰۳)

اسی وجہ سے جب بنی اسرائیل کے بہانہ ساز لوگوں نے حضرت موسیٰؑ سے خدا کی رؤیت کا مطالبہ کیا اور کہا: '' لَنْ نُؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً '' یعنی ہم اس

---

[1] قرآن کی بعض آیات سے استفادہ ہوتا ہے کہ خدا کی کرسی تمام آسمانوں اور زمین پر محیط ہے۔ بنابریں اس کا عرش بھی پوری مادی کائنات پر حاوی ہے'' وسیع کرسیه السموات والارض '' (سورہ بقرہ آیت ۲۵۵)

وقت تک ہرگز تجھ پر ایمان نہیں لائیں گے جب تک خدا کو آشکارا دیکھ نہ لیں ۔(سورہ بقرہ آیت ۵۵) تو حضرت موسیٰؑ انہیں کوہ طور پر لے گئے اور ان کا مطالبہ دہرایا تو خدا کی طرف سے یہ جواب سنا: '' لَنْ تَرٰنِیْ وَلٰکِنِ انْظُرْ اِلَی الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَکَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰنِیْ فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَکًّا وَّخَرَّ مُوْسٰی صَعِقًا ج فَلَمَّآ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَکَ تُبْتُ اِلَیْکَ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِیْنَ o'' یعنی تم مجھ کو ہرگز نہیں دیکھ سکتے البتہ پہاڑ کی طرف دیکھو اگر وہ اپنی جگہ پر قائم رہا تو تم مجھے دیکھ سکو گے۔ پھر جب تیرے پروردگار نے پہاڑ پر تجلی نازل کی تو اسے ریزہ ریزہ کردیا۔ موسیٰؑ بے ہوش ہوکر گر پڑے۔ جب انہیں ہوش آیا تو عرض کی: خدایا تو اس سے منزہ ہے کہ آنکھ سے دیکھا جاسکے۔ میں تیرے حضور توبہ کرتا ہوں اور مومنین میں سے پہلا مومن ہوں۔(سورہ اعراف آیت ۱۴۳)

اس واقعے سے ثابت ہو گیا کہ خدا ہرگز دکھائی نہیں دے سکتا۔

ہمارا عقیدہ ہے کہ اگر بعض اور روایات میں رویت خدا کی بات آئی ہے تو اس سے مراد دل اور باطن کی آنکھوں سے اس کا مشاہدہ ہے کیونکہ قرآنی آیات ہمیشہ ایک دوسری کی تفسیر کرتی ہیں۔''القرآن یفسر بعضه بعضا''[۱]

علاوہ ازیں حضرت علیؑ نے اس شخص کے سوال کے جواب میں جس نے آپؑ سے پوچھا تھا ''یا امیر المومنین هل رایت ربک '' یعنی یا امیر المومنین کیا آپ نے کبھی اپنے خدا کو دیکھا ہے؟ فرمایا ''اا عبد مالاری ''یعنی کیا میں کسی ان دیکھے کی عبادت کروں؟ اس کے بعد حضرتؑ نے فرمایا ''لاتدرک العیون بمشاهدة

---

[۱] یہ بڑا مشہور جملہ ہے اور ابن عباس سے مروی ہے لیکن یہی بات نہج البلاغہ میں امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام سے ایک اور انداز میں یوں منقول ہوا ہے: ان الکتاب یصدق بعضه بعضا....(نہج البلاغہ خطبہ ۱۸) اور ایک اور جگہ ارشاد فرماتے ہیں کہ ''وینطق بعضه ببعض و یشهد بعضه علی بعض ''(خطبہ ۱۰۳)

العیان ولکن تدرکه القلوب بحائق الایمان ''یعنی آنکھیں اسے ہرگز دیکھ نہیں سکتیں لیکن دل قوت ایمان سے اس کا نظارہ کر سکتے ہیں۔ (نہج البلاغہ۔ خطبہ ۱۷۹)

ہمارا عقیدہ ہے کہ خدا کے لیے مخلوقات والی صفات کا قائل ہونا خدا کی معرفت سے دوری اور شرک میں مبتلا ہونے کا باعث ہے مثلا اس کے متعلق مکان، جہت، جسمانیت، مشاہدہ اور رویت کا عقیدہ رکھنا۔ جی ہاں وہ تمام ممکنات اوران کی صفات سے بالاتر ہےاورکوئی چیز اس جیسی نہیں۔

۵۔ تمام اسلامی تعلیمات کی روح توحید ہے :

ہمارا عقیدہ ہے کہ معرفت خداوند متعال سے متعلق اہم ترین مسائل میں سے ایک توحید یعنی خدا کی وحدانیت کی معرفت کا مسئلہ ہے۔ حقیقت میں توحید صرف اصول دین کے ایک جز کا نام ہی نہیں بلکہ تمام اسلامی عقائد کی روح اور جان ہے۔ یہ بات بالکل واشگاف الفاظ میں کہی جاسکتی ہے کہ اسلام کے اصول اورفروع عقیدہ توحید سے تشکیل پاتے ہیں۔ ہر مقام پرتوحیداوروحدانیت ہی جلوہ گر ہے۔ مثال کے طور پر توحید ذات، توحید صفات، توحید افعال، بعبارت دیگرانبیاءؑ کی برحق دعوت، ادیان آسمانی، قبلہ مسلمین، قرآن اورخدا کے عالمگیر قوانین واحکام کی وحدت نیز مسلمانوں کی وحدت اورنظریہ قیامت کی وحدت۔

اسی وجہ سے قرآن نے نظریہ توحید سے ہر قسم کے انحراف اور شرک کی طرف میلان کوایک ناقابل عفو گناہ قرار دیا ہے۔ ''**اِنَّ اللّٰـهَ لَايَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَادُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ج وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰٓى اِثْمًا عَظِيْمًا** ○'' یعنی خدا (ہرگز) شرک کی معافی نہیں دے گا اوراس سے کم جس چیز کو بھی چاہے (اور لائق سمجھے) معاف کردے گا۔ جوکسی کو اللہ تعالی کا شریک قرار دے وہ بہت بڑے گناہ کا مرتکب ہوا ہے (سورۃ نساء آیت ۴۸)

''وَلَقَدْ اُوْحِیَ اِلَیْکَ وَاِلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکَ ج لَئِنْ اَشْرَکْتَ لَیَحْبَطَنَّ عَمَلُکَ وَلَتَکُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَo '' یعنی اے رسول! آپؐ اور آپؐ سے پہلے تمام انبیاء کی طرف یہ وحی ہوئی ہے کہ اگر شرک اختیار کرو گے تو تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں گے اور تم خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔ (سورہ زمر آیت ۶۵)

۶۔ توحید کی اقسام :

ہمارا عقیدہ ہے کہ توحید کی کئی اقسام ہیں جن میں سے مندرجہ ذیل چار اقسام نہایت اہم ہیں:

الف: **توحید ذات** یعنی اس کی ذات واحد ہے اور کوئی اس جیسا اور اس کے مانند نہیں ہے

ب: **تو حید صفات** یعنی علم، قدرت، ازلیت، ابدیت اور دیگر صفات اس کی ذات میں جمع ہیں اور یہ صفات اس کی عین ذات ہیں وہ مخلوقات کی طرح نہیں جن کی صفات آپس میں ایک دوسرے سے جدا ہوتی ہیں اور ان کی ذات سے بھی الگ ہوتی ہیں البتہ خدا کی ذات اور صفات کے درمیان وحدت کا مسئلہ غور وفکر اور باریک بینی کا محتاج ہے۔

ج: **توحید افعال** یعنی اس جہاں ہست و بود میں جو بھی فعل، حرکت یا تاثیر موجود ہے اس کا سر چشمہ خدا کا ارادہ اور اس کی مشیت ہے ''اَللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ ز وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ وَّکِیْلٌ o '' یعنی خدا ہر چیز کا خالق اور ہر چیز کی حفاظت کرنے والا ہے۔ (سورہ زمر آیت ۶۲) ''لَہٗ مَقَالِیْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ج '' یعنی زمین و آسمان کی چابیاں اس کے لئے ہیں (اور اس کے قبضہ قدرت میں ہیں) (سورہ شوریٰ آیت ۱۲)

جی ہاں ''لاموثر فی الوجود الا اللہ '' یعنی کائنات میں اس ذات پاک کے سوا کوئی حقیقی علت موجود نہیں ہے۔

لیکن اس بات کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم اپنے اعمال میں مجبور ہیں بلکہ اس کے

برعکس ہم ارادہ کرنے اور فیصلہ کرنے میں آزاد ہیں ''اِنَّا ھَدَیْنٰهُ السَّبِیْلَ اِمَّاشَا کِرًا وَّ اِمَّا کَفُوْرًا o ''یعنی ہم نے اسے ہدایت کا راستہ بتا دیا چاہے وہ شکر گزار بنے (قبول کرے یا کفران کرے) انکار کر دے (سورۃ دہر آیت ۳)

''وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَاسَعٰی o ''یعنی انسان کو اس کی کوشش اور سعی کا نتیجہ ہی ملتا ہے (سورۃ نجم آیت ۳۹)

یہ قرآنی آیات بالکل واضح انداز میں بتاتی ہیں کہ انسان اپنے ارادوں میں خود مختار ہے لیکن چونکہ ارادے کی یہ آزادی اور کام کی قدرت ہمیں خدا تعالیٰ نے عطا کی ہے۔ لہذا ہمارے اعمال کی نسبت اس کی طرح دی جاتی ہے لیکن یہ امر اس بات کی نفی نہیں کرتا کہ ہم اپنے اعمال کے جواب دہ ہیں۔

اس نے یہ ارادہ کیا کہ ہم اپنے اعمال آزادی سے انجام دیں تا کہ اس طریقے سے وہ ہمارا امتحان لے اور تکامل کے راستے پر ہمیں گامزن کرے کیونکہ انسانی تکامل، ارادے کی آزادی اور اطاعت خدا کا راستہ اپنی مرضی سے طے کرنے میں مضمر ہے۔ اختیار کے بغیر جبری کام نہ تو کسی کی اچھائی کی دلیل ہے اور نہ برائی کی۔

اگر ہم اپنے کاموں میں مجبور ہوتے تو اصولی طور پر بعثت انبیاءؑ اور آسمانی کتب کے نازل ہونے کا کوئی مفہوم رہتا اور نہ ہی دینی فرائض اور تعلیم و تربیت کا کوئی مطلب بنتا۔ نیز ثواب اور عذاب بھی بے معنی بن جاتے۔

یہ وہی عقیدہ ہے جو ہم نے آئمہ اہل بیتؑ کے مکتب فکر سے سیکھا ہے۔ انہوں نے فرمایا ہے کہ نہ جبر مطلق صحیح ہے اور نہ تفویض بلکہ ان دونوں کی درمیانی صورت ہی درست ہے۔ ''الجبر ولاتفویض ولکن امر بین امرین ''(اصول کافی، جلد ا باب الجبر والقدر لامر بین الامرین)

د : **توحید عبادت** : یعنی عبادت خدا کے ساتھ مختص ہے اور اس کی ذات پاک کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے۔ توحید کی یہ قسم اس کی تمام اقسام سے اہم ہے۔ انبیائے الٰہی بھی اسی کی زیادہ تاکید کرتے رہے ہیں ''وَمَآ اُمِرُوۡۤا اِلَّا لِیَعۡبُدُوا اللّٰہَ مُخۡلِصِیۡنَ لَہُ الدِّیۡنَ ۙ۵ حُنَفَآءَ وَیُقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَیُؤۡتُوا الزَّکٰوۃَ وَذٰلِکَ دِیۡنُ الۡقَیِّمَۃِ ؁'' یعنی انہیں (انبیاء کو) اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا کہ صرف خدا کی عبادت کریں اور اس کے لئے اپنا دین خالص کریں اور شرک سے بچیں یہ ہے خدا کا ابدی دستور۔ (سورہ بینہ آیت ۵)

اخلاق وعرفان کے تکاملی مراحل طے کرنے کے لئے توحید کی گہرائیاں اس سے بھی زیادہ ہوجاتی ہیں اور وہ اس مرتبے تک پہنچ جاتی ہے کہ انسان صرف خدا سے دل لگانے، ہر جگہ اس کا طالب رہے، اس کے سوا کچھ نہ دیکھے اور کوئی چیز اس کی توجہ خدا کی طرف سے ہٹا کر اپنی طرف نہ کر لے ''**کلما شغلک عن اللہ فھو صنمک**'' یعنی جو چیز تیری توجہ اپنی طرف مبذول رکھے اور تجھے خدا سے دور کردے وہ تیرا بت ہے۔

ہمارا عقیدہ ہے کہ توحید ان چار اقسام میں منحصر نہیں ہے۔ بلکہ

توحید مالکیت (سب چیزیں خدا کی ملکیت ہے) **لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰات وَمَا فِی الۡاَرۡضِ** (سورۃ بقرہ آیت ۲۸۴)

توحید حاکمیت (قانون فقط خدا کا ہے) ''**وَمَنۡ لَّمۡ یَحۡکُمۡ بِمَآ اَنۡزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الۡکٰفِرُوۡنَ ؁**'' (سورۃ مائدہ آیت ۴۴) بھی تو توحید کی اقسام میں سے ہیں

۷۔ معجزات انبیاءعلیہم السلام خدا کی طرف سے ہیں:

ہمارا عقیدہ ہے کہ توحید افعالی اس حقیقت کو بیان کرتی ہے کہ پیغمبروں سے جو معجزات اور خارق عادت امور انجام پذیر ہوتے ہیں وہ سب خدا کے اذن سے واقع ہوئے

چنانچہ قرآن نے حضرت عیسیٰ ؑ کے متعلق فرمایا "وَتُبْرِئُ الْاَکْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِیْ ج وَ اِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰی بِاِذْنِیْ "یعنی تم پیدائشی اندھے اور برص کے (لاعلاج) مریض کو میرے اذن سے شفا دیتے ہو اور میرے حکم سے مردوں کو زندہ کرتے ہو (سورۃ مائدہ آیت ۱۱۰)

حضرت سلیمان علیہ السلام کے ایک وزیر کے متعلق ارشاد ہوتا ہے "قَالَ الَّذِیْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْکِتَابِ اَنَا اٰتِیْکَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْکَ طَرْفُکَ ط فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّیْ صلے "یعنی کتاب آسمانی کے علم میں سے جس کے پاس کچھ تھا اس نے کہا: اس سے پہلے کہ آپ اپنی آنکھ جھپکائیں میں اس (ملکہ سبا کے تخت کو) آپ کے پاس لے آؤں گا اور جب اس (سلیمانؑ) نے اسے اپنے پاس موجود دیکھا تو کہا: یہ میرے پروردگار کے فضل (اور ارادہ) کرم کا نتیجہ ہے۔ (سورۃ نمل آیت ۴۰)

لہٰذا خدا کے حکم اور اذن سے بلاعلاج مریضوں کی شفایابی اور مردوں کو زندہ کرنے کی نسبت حضرت عیسیٰؑ کی طرف دینا (جیسا کہ قرآن میں صریحاً مذکور ہے) عین توحید ہے۔

۸۔ خدا کے فرشتے:

ہم خدا کے فرشتوں پر ایمان رکھتے ہیں جن میں سے ہر ایک کی خاص ذمہ داری ہے ان میں سے بعض انبیاء علیہم السلام کی طرف وحی لے جانے پر مامور تھے۔ (سورۃ بقرہ آیت ۹۷)

بعض فرشتے انسانوں کے اعمال کی حفاظت پر مامور ہیں۔ (سورۃ انفطار آیت ۱۰)

بعض روحیں قبض کرنے پر مامور ہیں۔ (سورۃ اعراف آیت ۳۷)

بعض ثابت قدم مومنین کی نصرت پر مامور ہیں۔ (سورۃ فصلت آیت ۳۰)

بعض جگہوں میں مومنین کی مدد کرنے پر مامور ہیں۔ (سورۃ احزاب آیت ۹)

بعض نافرمان قوموں کو سزا دینے پر مامور ہیں (سورہ ہود آیت ۷۷)

اس کے علاوہ کچھ فرشتے نظام کائنات کی بعض دیگر اہم ذمہ داریاں سنبھالے ہوئے ہیں۔

چونکہ سب ذمہ داریاں خدا کے حکم، اذن، اس کی قوت اور مدد سے انجام پا رہی ہیں اس لئے یہ توحید ربوبی اور توحید افعالی سے کسی قسم کی منافات نہیں رکھتیں بلکہ ان کی تائید کرتی ہیں ضمنی طور پر یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ انبیاء معصومینؑ اور فرشتوں کا شفاعت کرنا چونکہ خدا کے اذن سے ہے لہٰذا عین توحید ہے۔ ''مَامِنْ شَفِيعٍ اِلَّامِنْ بَعْدِ اِذْنِہٖط'' اس کی اجازت کے بغیر کوئی شفیع نہیں ہوسکتا۔ (سورۃ یونس آیت ۳)

(اس موضوع اور توسل سے متعلق مزید گفتگو انبیاء کی نبوت کے باب میں آئے گی)

۹۔ عبادت خدا کے لئے مخصوص ھے :

ہمارا عقیدہ ہے کہ عبادت صرف اسی ذات پاک کے ساتھ مخصوص ہے (جیسا کہ توحید سے متعلق گفتگو میں اشارہ ہوا ہے) لہذا جو کوئی اس کے علاوہ کسی اور کی عبادت کرے وہ مشرک ہے انبیاء کی تبلیغ کا محور بھی یہی تھا ''اُعْبُدُوااللّٰهَ مَالَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ط'' خدا کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے۔ یہ بات انبیاء کی زبانی کئی مرتبہ قرآن میں بیان ہوئی ہے۔ (سورہ اعراف آیت ۵۹، ۶۵، ۷۳، ۸۵)

قابل توجہ بات یہ ہے کہ ہم مسلمان اپنی نمازوں میں سورہ حمد کی تلاوت کے وقت اس اہم اسلامی شعار کا تکرار کرتے رہتے ہیں ''اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ○'' اس یعنی ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں۔

یہ بات واضح ہے کہ انبیاء اور فرشتوں کی شفاعت پر ایمان رکھنا (جو خدا کے حکم سے ہو اور جس کا تذکرہ قرآنی آیات میں بھی آیا ہے) ان کی عبادت نہیں ہے۔

اسی طرح انبیاء کو وسیلہ بنانا یعنی ان کے حضور یہ درخواست کرنا کہ خدا کی بارگاہ میں میری مشکل کے حل کے لئے دعا کریں نہ تو پرستش ہے نہ ہی عبادت اور نہ ہی توحید افعالی یا توحید عبادت سے متصادم ہے۔ (نبوت کی بحث میں اس کی تفصیل آئے گی)

۱۰۔ ذات خداوندی کی حقیقت سب پر مخفی ھے :

ہمارا عقیدہ ہے کہ خدا کے وجود کے آثار پوری کائنات پر چھائے ہوئے ہیں۔ اس کے باوجود اس ذات حق کی حقیقت کسی پر عیاں نہیں۔کوئی اس کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتا، کیونکہ اس کی ذات ہر لحاظ سے لامحدود ہے۔جبکہ ہم ہر لحاظ سے محدود اور متناہی ہیں۔ اسی وجہ سے ہمارے لئے اس کی ذات کا احاطہ کرنا محال ہے۔''اَلآ اِنَّــهٗ بِــکُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطٌo ''یعنی آگاہ رہو کہ وہ ہر چیز پر احاطہ رکھتا ہے۔(سورہ فصلت آیت ۵۴)

''وَّاللّٰهُ مِنْ وَّرَآئِهِمْ مُّحِیْطٌo '' خدا ان سب پر محیط ہے۔(سورہ بروج آیت ۲۰)

بہ عقل نازی حکیم تا کی　　بہ فکرت این رہ نمی شود طی!

بہ کنہ ذاتش خرد برد پی　　اگر رسد خس بہ قعر دریا!

نبی اکرمؐ کی ایک مشہور حدیث ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا''ماعبدناک حق عبادتک وماعرفناک حق معرفتک '' یعنی جس طرح تیری ذات عبادت کے لائق ہے ہم نے اس طرح تیری عبادت نہیں کی اور جس طرح تیری معرفت کا حق ہے ہم نے اس طرح تیری معرفت حاصل نہیں کی۔(بحاالانوار جلد ۶۸ صفحہ ۲۳)

لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے چونکہ ہم اس کی ذات پاک کے متعلق تفصیلی علم حاصل کرنے کی توانائی نہیں رکھتے۔لہذا اجمالی علم سے بھی ہاتھ کھینچ لیں اور معرفۃ اللہ کے باب میں فقط ان الفاظ پر قناعت کرلیں جن کا کوئی مفہوم نہ ہو۔اسے ''معرفة اللہ '' کی تعطیل کہتے ہیں۔ جسے ہم قبول نہیں کرتے اور اس پر عقیدہ نہیں رکھتے کیونکہ قرآن اور باقی تمام آسمانی کتابیں معرفۃ اللہ اور خدا کی شناخت کے لئے نازل ہوئی ہیں۔

اس موضوع کی بہت سی مثالیں دی جاسکتی ہیں مثلا ہم روح کی حقیقت سے آگاہ نہیں ہیں لیکن ہم اس کے متعلق یقینی طور پر اجمالی شناخت رکھتے ہیں۔ہم جانتے ہیں کہ

روح موجود ہے اوراس کے آثار بھی دیکھتے ہیں۔

امام محمد بن علی الباقر علیہ السلام سے بڑی عمدہ حدیث مروی ہے کہ آپؑ نے فرمایا ”**کلما میزتموہ باوھامکم فی ادق معانیہ مخلوق مصنوع مثلکم مرد ود الیکم**“ یعنی جس چیز کا بھی تصوراورخیال اس کے دقیق ترین معانی کے ساتھ آپ اپنے ذہن میں کریں۔وہ آپ کی مخلوق اورآپ کا بنایا ہوا ہےاورخود آپ کی طرح ہےاوراس کی برگشت آپ کی طرف ہوتی ہےاورخدااس سے بلند وبرتر ہے۔(بحارالانوارجلد۶۶صفحہ۲۹۳)

امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام سے مروی ایک حدیث میں معرفۃ اللہ کا دقیق اور باریک مفہوم ایک خوبصورت اورواضح پیرائے میں اس طرح بیان ہوا ہے ”**لم یطع اللہ سبحانہ العقول علی تحدید صفتہ ولم یحجبھا امواج معرفۃ**“ یعنی خدا نےعقول کواپنی صفات کی حدود(اورحقیقت سے آگاہ نہیں فرمایااوراس کے باوجود)انہیں ضروری معرفت اورپہچان سے محروم بھی نہیں رکھا۔(غررالحکم)

۱۱۔ نہ نفی نہ تشبیہ :

ہماراعقیدہ ہے کہ جس طرح خدا کی معرفت اوراسکی صفات کی پہچان سے دست برداری صحیح نہیں ہےاسی طرح وادی تشبیہ میں قدم رکھنا بھی غلط اورشرک ہے۔یعنی ہم یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ اس کی ذات پاک بالکل پہچانی ہی نہیں جاسکتی اور ہمارے پاس اس کی معرفت کا کوئی طریقہ ہی نہیں ہے۔اسی طرح اسے مخلوقات کے ساتھ تشبیہ بھی نہیں دی جاسکتی۔ان میں سے ایک افراط ہےاوردوسری تفریط۔(غور کیجیے)

دوسرا باب

انبیاء علیہم السلام کی نبوت

۱۲۔ بعثت انبیاءؑ کا مقصد

ہمارا عقیدہ ہے کہ خدا نے بنی نوع انسان کی رہنمائی کے لئے اور ان کو مطلوبہ کمال اور دائمی سعادت تک پہنچانے کے لئے انبیاءؑ اور رسولؑ بھیجے ہیں۔ اگر انبیاءؑ مبعوث نہ کئے جاتے تو خلقت کا مقصد حاصل نہ ہوتا۔ انسان گمراہی کی تاریکیوں میں بھٹکتا رہتا اور مقصد فوت ہوجاتا ''رُسُلًا مُّبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ لِئَلَّا یَکُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَی اللّٰہِ حُجَّۃٌ بَعْدَ الرُّسُلِ ط وَکَانَ اللّٰہُ عَزِیْزًا حَکِیْمًا o'' یعنی رسول (بھیجے) جو بشارت دینے والے اور ڈرانے والے تھے تاکہ خدا پر لوگوں کی طرف سے حجت نہ رہے۔ (اور وہ سب کو سعادت کا راستہ دکھائے اور تمام لوگوں پر اتمام حجت ہوجائے) خدا عزت والا اور حکمت والا ہے۔ (سورہ نساء، آیت ۱۶۵)

ہمارا عقیدہ ہے کہ ان میں سے پانچ انبیاء ''اولوالعزم'' ہیں۔ وہ صاحب شریعت تھے اور کتاب آسمانی رکھتے تھے۔ نیز ایک نیا دین لے کر آئے تھے۔ وہ یہ ہیں۔ حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ، حضرت محمدؐ۔

''وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِیّٖنَ مِیْثَاقَھُمْ وَمِنْکَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰھِیْمَ وَمُوْسٰی وَعِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ ص وَاَخَذْنَا مِنْھُمْ مِّیْثَاقًا غَلِیْظًا o'' یعنی وہ وقت یاد کرو جب ہم نے انبیاء علیہم السلام سے عہد لیا اور (اسی طرح) تم سے، نیز نوحؑ، ابراہیمؑ، موسیٰؑ اور عیسیٰؑ بن مریم سے۔ ہم نے ان سب سے مضبوط عہد و پیمان لیا (کہ وہ اپنی رسالت پر عمل کرنے کیلئے اور آسمانی کتاب کی تعلیمات پھیلانے کیلئے کوشاں رہیں۔ سورہ احزاب، آیت ۷)

ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے: ''فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُوالُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ '' یعنی اس طرح صبر اور استقامت کرو جس طرح کہ اولوالعزم رسولوں نے صبر اور استقامت کا مظاہرہ کیا۔ (سورہ احقاف، آیت ۳۵)

ہمارا عقیدہ ہے کہ پیغمبر اسلام خاتم الانبیاء اور اللہ تعالی کے آخری رسول ہیں۔ ان کی شریعت پوری دنیا کے لوگوں کیلئے ہے اور جب تک دنیا باقی ہے یہ شریعت بھی باقی رہے گی۔ اسلام کی تعلیمات، معارف اور احکام کی جامعیت ایسی ہے کہ وہ قیامت تک انسان کی تمام معنوی اور مادی ضروریات کو پوری کرتی ہیں۔ جو بھی نئی نبوت اور سالت کا مدعی ہو اس کا دعوی باطل اور بے نبیاد ہے۔

ارشاد ہوتا ہے: '' مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ط وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمًا ۝ '' یعنی محمد صلی اللہ وآلہ وسلم تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں لیکن وہ رسول خدا اور سلسلہ انبیاء کو ختم کرنے والے ہیں۔ خدا ہر چیز سے آگاہ ہے (اور جو کچھ ضروری تھا اسے عطا کیا ہے۔ سورہ احزاب آیت ۴۰)

۱۳۔ ادیان آسمانی کے پیروکاروں کے ساتھ پر امن رہن سہن:

اگر چہ ہم فقط اسلام کو اس دور میں خدا تعالی کا با قاعدہ اور قانونی دین سمجھتے ہیں لیکن ہم اعتقاد رکھتے ہیں کہ دوسرے آسمانی مذاہب کے ماننے والوں کے ساتھ رواداری پر مبنی سلوک روا رکھنا چاہئے۔ چاہے وہ اسلامی مماک میں رہتے ہوں یا کہیں اور۔ سوائے ان لوگوں کے جو اسلام اور مسلمانوں کے مقابلے میں آ گئے ہوں۔ ارشاد ہوتا ہے:

''لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِى الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ط اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ '' یعنی جن

لوگوں نے تم سے دین کے بارے میں جنگ نہیں کی تھی اور نہ تمہیں گھروں سے نکالا تھا۔ اللہ تعالی تمہیں ان کے بارے میں اس بات سے نہیں روکتا کہ تم ان کے ساتھ احسان اور انصاف کرو کہ خدا انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ (سورہ ممتحنہ آیت ۸)

ہمارا عقیدہ ہے کہ دنیا کے تمام لوگوں پر اسلامی تعلیمات اور اسلام کی حقیقت کو دلیل اور برہان کے ذریعے روشن اور واضح کیا جا سکتا ہے۔ اسلام میں اتنی کشش ہے کہ اگر اسے اچھی طرح پیش کیا جائے تو یہ بہت سے لوگوں کو اپنی طرف مائل کرے لے گا۔ بالخصوص اس بات کے پیش نظر کہ آج کی دنیا میں اسلام کا پیغام سننے کیلئے بہت سے لوگ تیار ہیں۔

اسی وجہ سے ہمارا عقیدہ ہے کہ اسلام کو دباؤ اور جبر کے ذریعے لوگوں پر نہیں تھوپنا چاہیئے۔ ''لَاۤ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قف لا قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ج '' یعنی دین قبول کرنے میں زبردستی نہیں ہے کیونکہ صحیح اور غلط راستے کے درمیان فرق واضح ہے۔ (سورہ بقرہ آیت ۲۵۶)

ہمارا عقیدہ ہے کہ اسلام کے جامع احکام پر مسلمانوں کا عمل پیرا ہونا اسلام کی پہچان کا ایک اور سبب ثابت ہوگا۔ لہذا زبردستی اور جبر کی ضرورت نہیں ہے۔

۱۴۔ انبیاءؑ کا تا حیات معصوم ہونا :

ہمارا عقیدہ ہے کہ خدا کے تمام انبیاءؑ معصوم ہیں یعنی زندگی بھر (نبوت سے پہلے اور نبوت کے بعد) وہ خدا کی مدد سے ہر قسم کی خطاؤں اور گناہوں سے محفوظ رہتے ہیں اگر وہ کسی گناہ یا غلطی کا ارتکاب کریں تو ان کی نبوت سے اعتماد اٹھ جائے گا۔ لوگ انہیں اپنے اور خدا کے درمیان ایک مطمئن وسیلہ نہیں سمجھیں گے اور اپنی زندگی کے تمام اعمال میں انہیں اپنا رہبر اور راہنما تسلیم نہیں کریں گے۔

اسی وجہ سے ہمارا عقیدہ ہے کہ قرآن کی کچھ آیات میں ظاہری طور پر انبیاءؑ کی طرف گناہ کی جو نسبت دی گئی ہے اس سے مراد ترک اولیٰ ہے۔ (یعنی دو اچھے کاموں میں

سے اس کا انتخاب جس کی اچھائی کم ہو، جبکہ ہونا یہ چاہئے کہ سب سے اچھے کا انتخاب کیا جائے) دوسرے الفاظ میں یہ ''**حسنات الابرار سیئات المقربین**'' کے زمرے میں شامل ہے یعنی نیک لوگوں کے اچھے کام مقربین کے لئے گناہ محسوب ہوتے ہیں [۱] کیونکہ ہر شخص سے اس کے مقام کے مطابق ہی توقع رکھی جاتی ہے۔

۱۵۔ وہ خدا کے مطیع بندے ہیں:

ہمارا عقیدہ ہے کہ خدا کے انبیاءؑ اور رسولوں کا سب سے بڑا اعزاز یہ ہے کہ وہ خدا کے مطیع اور فرمان بردار بندے ہیں۔ اسی وجہ سے ہم اپنی پنجگانہ نمازوں میں رسول اکرمؐ کے بارے میں یہ جملہ دہراتے ہیں۔ ''**اشھد ان محمداعبدہ ورسولہ**'' یعنی میں گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ خدا کے بندے اور رسول ہیں۔

ہمارا عقیدہ ہے کہ کسی بھی نبی نے خدائی کا دعویٰ نہیں کیا اور لوگوں کو اپنی عبادت کی طرف نہیں بلایا۔ ''**مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ**'' یعنی کسی انسان کے لئے سزاوار نہیں ہے کہ خدا اسے آسمانی کتاب، حکم اور نبوت دے پھر وہ لوگوں سے کہے کہ خدا کو چھوڑ کر میری عبادت کرو۔ (سورہ آل عمران، آیت ۷۹)

یہاں تک کہ حضرت عیسیٰؑ نے بھی لوگوں کو ہرگز اپنی عبادت کی دعوت نہیں دی۔ وہ ہمیشہ خود کو خدا کا بندہ اور مخلوق قرار دیتے رہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ ''**لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يُّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ**'' یعنی عیسیٰؑ نے ہرگز اس بات سے انکار نہیں کیا کہ وہ خدا کے بندے ہیں اور نہ اس کے مقرب فرشتوں نے۔ (سورہ نساء آیت ۱۷۲)

---

[۱] علامہ مجلسی نے بحار الانوار میں یہ جملہ ایک معصوم سے نقل کیا ہے لیکن ان کے نام کا ذکر نہیں کیا۔ (بحار الانوار جلد ۲۵ صفحہ ۲۰۵)

مسیحیت کی موجودہ تاریخیں بھی یہی بتاتی ہیں کہ مسئلہ تثلیث (تین خداؤں پر عقیدہ) مسیحیت کے ابتدائی سو سالوں میں موجود نہ تھا اور یہ طرز فکر بعد میں پیدا ہوا ہے۔

۱٦۔ معجزے اور علم غائب:

سارے انبیاءؑ خدا کے بندے ہیں لیکن یہ بندگی اس بات میں رکاوٹ نہیں بنتی کہ وہ خدا کے حکم اور اذن سے ماضی، حال اور مستقبل کے عینی امور سے مطلع ہو جائیں۔ ارشاد ہوتا ہے: ''عٰالِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا o اِلَّامَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ'' یعنی خدا غائب کا علم رکھتا ہے اور کسی کو اپنے غیب کے اسرار سے آگاہ نہیں کرتا سوائے ان رسولوں کے جنہیں اس نے منتخب کرلیا ہے۔ (سورہ جن آیات ۲٦، ۲۷)

ہم جانتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ کا ایک معجزہ یہ تھا کہ وہ لوگوں کو پوشیدہ باتوں سے آگاہ کرتے تھے۔ ''وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَاتَدَّخِرُوْنَ فِیْ بُیُوْتِكُمْ ط'' یعنی جو کچھ تم کھاتے ہو اور اپنے گھروں میں ذخیرہ کرتے ہو۔ میں تمہیں اس کی خبر دیتا ہوں۔
(سورہ آل عمران آیت ۴۹)

پیغمبر اسلامؐ بھی خدا کی تعلیم کے باعث غیب کی بہت سی باتیں بیان فرماتے تھے: ''ذٰلِكَ مِنْ اَنْبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْكَ ج'' یعنی یہ غیب کی باتوں میں سے ہے جنہیں ہم نے تجھ پر وحی کی ہے۔ (سورۃ یوسف آیت ۱۰۲)

لہٰذا اگر انبیاءِ الٰہی وحی کے ذریعے اور خدا کے اذن سے غیب کی خبر دیں تو یہ نہ ہونے والی بات نہیں۔ اگر بعض آیات میں پیغمبر اسلامؐ سے غیب کی نفی ہوئی ہے مثلاً ''وَلَآاَعْلَمُ الْغَیْبَ وَلَآاَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّیْ مَلَكٌ ج'' یعنی میں غیب کا علم نہیں رکھتا اور نہ یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔ (سورہ انعام آیت ۵۰) تو اس سے مراد ذاتی اور استقلالی علم ہے نہ کہ وہ علم جو خدا نے عطا کیا ہو۔ کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ قرآنی آیات ایک دوسری کی تفسیر کرتی ہیں۔

ہمارا عقیدہ ہے کہ یہ عظیم لوگ خدا کے اذن سے بڑے اہم معجزات اور خارق العادت کام انجام دیتے تھے۔ خدا کے حکم سے اس طرح کے کاموں کی انجام دہی پر ایمان نہ شرک ہے اور نہ ان کے مقام بندگی سے متصادم ہے قرآن کی تصریح کے مطابق حضرت عیسیٰ خدا کے حکم سے مردوں کو زندہ کرتے تھے اور لاعلاج مریضوں کو خدا کے حکم سے شفا دیتے تھے ''وَاُبْرِئُ الْاَکْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحیِ الْمَوْتٰی بِاِذْنِ اللّٰهِ ج'' (سورۃ آل عمران آیت ۴۹)

۱۷۔ انبیاءؑ کا مقام شفاعت :

ہمارا عقیدہ ہے کہ تمام انبیاءؑ اور سب سے بڑھ کر پیغمبر اسلامؐ کو حق شفاعت حاصل ہے۔ وہ خدا کے حضور گناہگاروں کے بعض مخصوص گروہوں کی شفاعت کریں گے۔ لیکن یہ بھی خدا کے اذن اور اس کی اجازت سے ہوگی۔ ''مَامِنْ شَفِیْعٍ اِلَّامِنْ بَعْدِ اِذْنِهٖ ط'' یعنی کوئی شفاعت کرنے والا نہیں ہے مگر خدا کے اذن اور اجازت کے بعد۔ (سورۃ یونس آیت ۳) ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے کہ ''مَنْ ذَالَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ط'' یعنی اس کی اجازت کے بغیر کون اس کے حضور شفاعت کرسکتا ہے؟ (سورہ بقرہ آیت ۲۵۵) اگرچہ بعض آیات میں بطور مطلق شفاعت کی نفی کی گئی ہے مثلاً ''مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ یَوْمٌ لَّابَیْعٌ فِیْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَاشَفَاعَةٌ ط'' یعنی اس دن کی آمد سے پہلے انفاق کرو جس دن نہ تجارت ہوگی (کہ کوئی اپنے لئے سعادت اور نجات خرید لے) اور نہ دوستی (عام دوستیاں مفید نہیں ہوں گی) اور نہ شفاعت (سورۃ بقرہ آیت ۲۵۴) تو اس سے مراد اس شفاعت کی نفی ہے جو خدا کی اجازت کے بغیر ہو یا ان لوگوں کی شفاعت مراد ہے جو شفاعت کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ کیونکہ کئی بار بتایا جاچکا ہے کہ قرآنی آیات ایک دوسرے کی تفسیر کرتی ہیں۔

ہمارا عقیدہ ہے کہ شفاعت کا نظریہ، افراد کی تربیت، گنہگار لوگوں کو صحیح راستے پر لانے، انہیں نیکی کی ترغیب دینے اور ان کے دلوں میں امید کی شمع روشن کرنے کا ایک

بہترین ذریعہ ہے کیونکہ شفاعت بغیر کسی حساب کتاب کے نہیں ہوسکتی، بلکہ یہ صرف ان لوگوں کے لئے ہے جواس کی صلاحیت رکھتے ہیں یعنی ان کے گناہ اس حد تک نہ ہوں کہ وہ شفیعوں سے اپنا رابطہ مکمل طور پر ختم کر چکے ہوں۔لہٰذا شفاعت کی بات گنہگاروں کوخبر دار کرتی ہے تا کہ وہ اپنے تمام راستے مسدود نہ کریں۔اپنی واپسی کا راستہ کھلا رکھیں اور شفاعت کے لئے اپنی اہلیت ثابت کریں۔

۱۸۔توسل :

ہمارا عقیدہ ہے کہ توسل بھی شفاعت کی طرح ہے۔توسل کا مسئلہ معنوی اور مادی مشکلات میں گھرے ہوئے افراد کو یہ موقع فراہم کرنا ہے کہ اولیائے خدا کا دامن پکڑ لیں تا کہ وہ خدا کی اجازت سے خدا کے حضور ان کی مشکلات دور کرنے کی درخواست کریں یعنی ایک طرف تو وہ خود خدا کی طرف رجوع کریں اور دوسری طرف اولیاء اللہ کو وسیلہ قرار دیں۔ ارشاد ہوتا ہے ''وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُ وْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَ جَدُ واللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ○ ''یعنی جب انہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا (اور گناہ کا ارتکاب کیا) اس وقت اگر وہ تیرے پاس آتے اور خدا سے استغفار طلب کرتے اور رسولؐ خدا بھی ان کے لئے مغفرت طلب کرتے تو وہ خدا کو توبہ قبول کرنے والا اور مہربان پاتے۔(سورۃ نساء آیت ۶۴)

نیز ہم حضرت یوسفؑ کے بھائیوں کے واقعے میں دیکھتے ہیں کہ انہوں نے اپنے باپ کو وسیلہ بنایا اور کہا کہ ''يَآ بَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَآ اِنَّا كُنَّا خٰطِئِيْنَ ○ ''یعنی اے ہمارے بابا جان ہمارے لیے خدا سے مغفرت طلب کریں کیونکہ ہم خطا کار ہیں ان کے بوڑھے باپ (حضرت یعقوب نبیؑ) نے ان کی درخواست قبول کر لی اور ان کی مدد کرنے کا وعدہ کرتے ہو فرمایا: ''سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّيْ ط ''یعنی میں تمہارے لئے اپنے

پرورگار سے طلب مغفرت کروں گا۔(سورہ یوسف آیت ۹۷،۹۸)
یہ واقعہ اس بات پر شاہد ہے کہ گزشتہ امتوں میں بھی توسل کی رسم موجود تھی لیکن اس منطق حد سے آگے نہیں بڑھنا چاہئے اوراولیاء اللہ کوخدا کی اجازت کے بغیر مستقل طور پر مؤثرنہیں سمجھنا چاہئے۔کیونکہ یہ کفراور شرک کا باعث ہے۔توسل کواولیاء اللہ کی عبادت کی شکل نہیں دینی چاہئے کہ یہ بھی کفراور شرک ہے کیونکہ وہ خدا کی اجازت سے ہٹ کر بذات خودسود و زیان کے مالک نہیں ہیں۔" قُلْ لَّآ اَمْلِکُ لِنَفْسِیْ نَفْعًاوَّلَا ضَرًّااِلَّا مَاشَآءَ اللّٰہُ ط" یعنی کہو میں اپنے لئے بھی سودوزیان کا مالک نہیں مگر یہ خدا چاہے(سورہ اعراف آیت ۱۸۸)عام طور پر تمام اسلامی فرقوں کے ماننے والے لوگوں میں توسل کے متعلق افراط وتفریط نظر آتی ہے۔ان کی راہنمائی اور ہدایت ضروری ہے۔

۱۹۔انبیاءؑ کی دعوت کے بنیادی اصول ایک ہیں:

ہمارا عقیدہ ہے کہ خدا کے تمام رسول ایک ہی مقصد کی طرف گامزن تھے ان کا ہدف خدا پر ایمان اور قیامت پر ایمان کے ذریعے لوگوں کی سعادت اور اسلامی معاشروں میں صحیح دینی تعلیم وتربیت اوراخلاقی اصولوں کواستحکام بخشنا تھا۔اسی وجہ سے تمام انبیاء ہمارے لئے محترم ہیں۔یہ بات ہمیں قرآن نے سکھائی ہے ارشاد ہوتا ہے۔"لَانُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِنْ رُّسُلِہٖ"یعنی ہم خدا کے رسولوں میں کسی قسم کا فرق نہیں کرتے (سورہ بقرہ آیت ۲۸۵)
وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بلند تعلیمات کے لئے انسان کی آمادگی کے ساتھ ساتھ ادیان الٰہی بھی آہستہ آہستہ تکامل کی طرف بڑھتے گئے اوران کی تعلیمات زیادہ سے زیادہ عمیق ہوتی گئیں۔یہاں تک کے آخری اور مکمل دین یعنی اسلام کی باری آگئی اور یہ فرمان آگیا:
"اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ط"یعنی آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کوکامل کردیااورتم پراپنی نعمت تمام

کردی اوراسلام کو(ہمیشہ رہنے والے) دین کے طور پر قبول کیا(سورہ مائدہ آیت ۳)

۲۰۔سابقہ انبیاءؑ کی پیشگویاں :

ہمارا عقیدہ ہے کہ بہت سے سابقہ انبیاء نے اپنے بعد والے انبیاء کے ظہور کے متعلق خبر دی ہے حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ نے پیغمبر اکرمؐ کے متعلق واضح نشانیاں بتائیں جن میں سے اب بھی بعض ان کتابوں میں موجود ہیں ''اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَہٗ مَکْتُوْبًا عِنْدَھُمْ فِی التَّوْرٰۃِ وَالْاِنْجِیْلِ ز........ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ٥''یعنی جولوگ نبی امی کی پیروی کرتے ہیں یعنی اس پیغمبر کی جس کی نشانیاں وہ اپنے پاس موجود تورات وانجیل میں پاتے ہیں ---- وہ فلاح پانے والے ہیں (سورۃ اعراف آیت ۱۵۷)

اسی وجہ سے تاریخ بتاتی ہے کہ پیغمبر اسلامؐ کے ظہور سے کچھ عرصہ پہلے یہودیوں کی ایک بہت بڑی تعداد مدینہ آگئی اور بڑی بے صبری سے حضور اکرمؐ کے ظہور کا انتظار کرنے لگی۔کیونکہ انہوں نے اپنی کتابوں میں دیکھا تھا کہ آپؐ اس سرزمین سے ظہور کریں گے اگرچہ ان کے ظہور کے بعد ان میں سے کچھ ایمان لے آئے اور کچھ (جن کے مفادات خطرے میں پڑ گئے تھے) نے آپ کی مخالفت کی۔

۲۱۔انبیاءؑ اور زندگی کے تمام پہلوؤں کی اصلاح:

ہمارا عقیدہ ہے کہ انبیاءؑ پر جوادیان نازل ہوتے ہیں بالخصوص دین اسلام، وہ فقط انفرادی زندگی کی اصلاح یا فقط معنوی اوراخلاقی مسائل بیان کرنے کے لئے نہیں بلکہ وہ تمام اجتماعی حوالوں سے بھی اصلاح کے علمبردار ہیں۔روزمرہ زندگی کے بہت سے ضروری علوم اور باتیں لوگوں نے انہیں سے سیکھی ہیں ان میں سے بعض کی طرف قرآن میں بھی اشارہ ہوا ہے۔

نیز ہمارا عقیدہ ہے کہ ان راہنماؤں کا ایک عظیم مقصد انسانی معاشرے میں عدالت قائم کرنا تھا۔ارشاد ہوتا ہے: ''لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْکِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ج ''یعنی ہم نے اپنے رسولوں کو واضح دلائل کے ساتھ بھیجا اور ہم نے ان کے ساتھ آسمانی کتاب اور میزان (حق کو باطل سے پہچاننے کا معیار اور عادلانہ قوانین) نازل کئے تاکہ (دنیا کے) لوگ عدالت قائم کرنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوں۔(سورہ حدید آیت ۲۵)

۲۲۔قومی اور نسلی امتیازات کی نفی :

ہمارا عقیدہ ہے کہ خدا کے انبیاءؑ بالخصوص پیغمبرؐ اسلام کسی قسم کے نسلی اور قومی امتیاز کو قبول نہیں کرتے تھے بلکہ دنیا کی تمام اقوام، ملتیں، نسلیں اور زبانیں ان کی نظر میں برابر تھیں۔قرآن نے تمام انسانوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا ہے: ''یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰی وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَاللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ''یعنی اے لوگو ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہیں قبائل اور خاندانوں میں تقسیم کیا تاکہ ایک دوسرے کو پہچان سکو (لیکن یہ برتری کا معیار نہیں ہے) تم میں خدا کے نزدیک سب سے معززوہ ہے جو زیادہ متقی ہے (سورۃ حجرات آیت ۱۳)

پیغمبر اکرمؐ کی ایک مشہور حدیث ہے کہ آپ نے سرزمین منیٰ میں (حج کے موقع پر) اونٹ پر سوار ہو کر لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا: ''یا ایھاالناس الاان ربکم واحد وان ابا کم واحد الالا فضل لعربی علی عجمی ولالعجمی علی عربی ولا لاسود علی احمر ولا لاحمر علی اسود الا بالتقوی الا ھل بلغت ؟قالو نعم !قال لیبلغ الشاھد الغالب '' یعنی اے لوگو! جان لو:تمہارا خدا ایک ہے اور تمہارا باپ ایک ہے۔نہ کسی عربی کو کسی عجمی پر اور نہ کسی عجمی کو کسی عربی پر،نہ کالے کو گندمی رنگ والے پر اور نہ

گندمی رنگ والے کو کالے پر کوئی برتری حاصل ہے مگر تقویٰ کے ذریعے۔ کیا میں نے خدا کا حکم تم تک پہنچا دیا ہے؟ سب نے کہا ہاں آپؐ نے فرمایا: جو موجود ہیں وہ یہ بات ان تک پہنچا دے جو موجود نہیں ہیں (تفسیر قرطبی جلد ۹ صفحہ ۶۱۶۲)

۲۳۔ اسلام اور انسانی فطرت:

ہمارا عقیدہ ہے کہ خدا توحید اور انبیاءؑ کی تعلیمات کے اصولوں پر اجمالی ایمان تمام انسانوں میں فطری طور پر پایا جاتا ہے۔ انبیاءؑ اس ثمر بخش بیج کی آبیاری وحی کے ذریعے کرتے تھے اور شرک وانحراف کی گھاس پھوس اس سے دور کرتے تھے۔ ارشاد ہوتا ہے: "فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِکَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ o" یعنی یہ (خدا کا خالص دین) عین فطرت ہے جس پر خدا نے تمام انسانوں کو پیدا کیا ہے۔ خدا کی تخلیق میں کوئی دگرگونی نہیں ہے (اور یہ فطرت تمام انسانوں میں موجود ہے) یہ ہے پائیدار دین لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے (سورہ روم آیت ۳۰)

یہی وجہ ہے کہ پوری انسانی تاریخ میں انسانوں کے درمیان ہمیشہ دین موجود رہا ہے اور بڑے مورخین کے عقیدے کے مطابق بے دینی کہیں کہیں اور خال خال نظر آتی ہے۔ یہاں تک کہ سالہا سال تک دین دشمن پروپیگنڈے کی زد میں رہنے والی ملتوں نے آزادی حاصل کرتے ہی دین کی طرف رجوع کر لیا لیکن اس بات کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ بہت سی گزشتہ قوموں کی علمی سطح کے تنزل کے باعث ان کے دینی عقائد اور آداب میں متعدد خرافات بھی داخل ہو جاتی تھیں۔ انبیائے الٰہی کا اہم کام انسانوں کے آئینہ فطرت سے ان خرافات کے گرد کو دور کرنا تھا۔

تیسرا باب

قرآن اور آسمانی کتابیں

۲۴۔ آسمانی کتابوں کے نزول کا فلسفہ :

ہمارا عقیدہ ہے کہ خدا نے انسانوں کی ہدایت اور راہنمائی کیلئے متعدد آسمانی کتابیں نازل کی ہیں۔جن میں صحف ابراہیمؑ ونوحؑ،تورات وانجیل اور سب سے جامع ترین کتاب قرآن مجید شامل ہیں ۔اگر یہ کتابیں نازل نہ ہوتیں تو انسان خداشناسی اور خدا کی عبادت کے راستے میں غلطی کا شکار ہو جاتا اور وہ تقوی،تربیت اور اخلاق کے اصولوں اوران اجتماعی قوانین سے دور ہو جاتا جن کی اسے ضرورت تھی۔

یہ آسمانی کتابیں باران رحمت کی طرح دلوں پر نازل ہوئیں۔ان کتابوں نے انسان کی فطرت میں تقوی،اخلاق،معرفۃ اللہ اورعلم وحکمت کے بیج بوئے اوران کو پروان چڑھایا۔

ارشاد ہوتا ہے۔''اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ط كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ قف ''یعنی رسول اس چیز پر ایمان لے آیا جو اس کے پروردگار کی طرف سے اس پر نازل ہوئی اور تمام مومنین بھی خدا،اس کے فرشتوں،اس کی کتابوں اوراس کے رسولوں پر ایمان لے آئے۔(سورہ بقرہ آیت ۲۸۵)

افسوس کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ نیز جاہل اور نااہل لوگوں کی مداخلت سے بہت سی آسمانی کتابیں تحریف کا شکار ہوگئی ہیں اوران میں غلط نظریات کا اضافہ کردیا گیا ہے لیکن اس کے باوجود آگے آنے والے دلائل کے مطابق قرآن مجید ہر قسم کی تحریف سے محفوظ رہا ہے۔یہ تمام زمانوں اورادوار میں آفتاب کی طرح ضوفشانی کرتا آیا ہے اوردلوں کو منور کر رہا ہے۔ارشاد ہوتا ہے۔''قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ٥ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ

مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ ''یعنی خدا کی طرف سے تمہارے پاس نور اور کتاب مبین آئے۔ خدا ان کی برکت سے ان لوگوں کو سلامتی (اور سعادت) کے راستوں کی طرف ہدایت کرتا ہے جو اس کی خوشنودی کے طالب ہوں۔ (سورہ مائدہ آیات ۱۶،۱۵)

۶۵۔ قرآن پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سب سے اہم معجزہ:

ہمارا عقیدہ ہے کہ قرآن پیغمبر اکرم ؐ کا اہم معجزہ ہے۔ یہ نہ فقط فصاحت و بلاغت، بیان کی چاشنی اور معانی کی جامعیت کے لحاظ سے معجزہ ہے بلکہ دیگر کئی جہات سے بھی اس میں اعجاز پایا جاتا ہے۔ (ان کی تفصیل عقائد اور علم کلام کی کتب میں مذکور ہے)

اسی وجہ سے ہمارا عقیدہ ہے کہ کوئی اس کی مثل بلکہ اس کی ایک سورت جیسی کوئی سورت بھی نہیں لاسکتا۔ جو لوگ اس کتاب میں شک کرتے تھے قرآن نے انہیں کئی مرتبہ اس بات کی دعوت دی ہے لیکن وہ اس کے مقابلے پر ہرگز قادر نہ ہوئے۔ ارشاد ہوتا ہے:

''قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰۤى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ○''یعنی اگر جن و انس مل کر اس قرآن جیسی کتاب لانا چاہیں تو نہیں لاسکیں گے۔ اگر چہ اس کام میں وہ ایک دوسرے کی مدد کریں'' (سورہ اسراء آیت ۸۸)

ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے '' وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖص وَادْعُوْا شُهَدَآءَ كُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○'' یعنی ہم نے اپنے بندے (پیغمبر ؐ اسلام) پر جو نازل کیا ہے اس میں تمہیں شک ہے (تو کم از کم) اس جیسی ایک سورت لے آؤ اور خدا کے سوا اپنے گواہوں کو اس کام کے لیے بلالو اگر تم سچے ہو۔ (سورہ بقرہ آیت ۲۳)

ہم یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ نہ فقط یہ کہ قرآن پرانا نہیں

ہوا بلکہ اس کے اعجاز آمیز نکات مزید آشکار ہورہے ہیں اور دنیا والوں کے سامنے اس کے مطالب کی عظمت مزید روشن ہوتی جارہی ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ایک حدیث میں مذکور ہے: ''ان **اللّٰہ تبارک و تعالیٰ لم یجعله لزمان دون زمان ولناس دون ناس فهو فی کل زمان جدید وعند کل قوم عص الی یوم القیامة** ''یعنی خدا نے قرآن کو کسی خاص زمانے یا کچھ خاص لوگوں کے ساتھ مختص نہیں کیا۔اسی وجہ سے وہ ہر زمانے میں نیا اور ہر گروہ کے نزدیک قیامت تک شاداب ہے۔(بحار الانوار جلد 2 صفحہ ۲۸۰ حدیث ۴۴)

۲۶۔عدم تحریف:

ہمارا عقیدہ ہے کہ آج دنیا کے مسلمانوں کے پاس جو قرآن ہے یہ وہی قرآن ہے جو پیغمبر اکرمؐ پر نازل ہوا تھا۔نہ اس میں کچھ کمی واقع ہوئی ہے اور نہ اس میں کسی چیز کا اضافہ کیا گیا ہے۔ابتدائی دنوں سے ہی کاتبان وحی کی ایک بہت بڑی جماعت نزول قرآن کے بعد آیات کو لکھ لیتی تھی۔مسلمانوں کی ذمہ داری تھی کہ دن رات اس کی تلاوت کریں۔اپنی پنجگانہ نمازوں میں اسے دہرائیں۔بہت سے لوگوں نے قرآن کو حفظ کر لیا۔اسلامی معاشروں میں قرآن کے حفاظ اور قاریوں کو ہمیشہ خصوصی مقام حاصل رہا۔ان باتوں اور دیگر وجوہات کے باعث قرآن ہر قسم کے تغیر وتبدل اور تحریف سے محفوظ رہا۔

علاوہ ازیں خدا نے دنیا کے خاتمے تک اس کی حفاظت کی ذمہ داری لی ہے۔ خدا کی اس ضمانت کے باعث اس میں تغیر وتحریف محال ہے۔ارشاد ہوتا ہے: ''**اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ**'' یعنی ہم نے قرآن نازل کیا ہے اور یقینی طور پر ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے۔(سورہ حجر آیت ۹)

تمام بڑے بڑے شیعہ وسنی علماء اور محققین اس بات پر متفق ہیں کہ قرآن میں کسی

قسم کی تحریف نہیں ہوئی۔فریقین میں سے بہت کم لوگوں نے بعض احادیث کی روح سے تحریف کی بات کی ہے۔لیکن فریقین کے محقق حضرات اس رائے کو یقینی طور پر ٹھکراتے ہیں اور مذکورہ روایات کو من گھڑت قرار دیتے ہیں یا ان کو تحریف معنوی (آیات قرآن کی غلط تفسیر) یا تفسیر قرآن اور متن قرآن میں خلط پر محمول کرتے ہیں۔(غور کیجیے)

جو تنگ نظر لوگ اس بات پر زور دے رہے ہیں کہ بعض شیعہ یا غیر شیعہ لوگ تحریف کے قائل ہیں۔حالانکہ یہ بات شیعہ اور اہل سنت کے بڑے علماء کے صریح بیانات کے بالکل برعکس ہے۔ایسے لوگ ناآگاہانہ طور پر قرآن کو زک پہنچا رہے ہیں اور اپنے بیجا تعصب کی وجہ سے اس عظیم آسمانی کتاب کو مشکوک بنانے کی کوشش کر رہے ہیں اور دشمن کی مدد کر رہے ہیں۔

پیغمبرؐ کے دور سے قرآن کی بتدریج جمع آوری کا تاریخی مطالعہ،اس کتاب کو لکھنے حفظ کرنے اور اپنے پاس رکھنے پر مسلمانوں کی زبردست توجہ بالخصوص پہلے دن سے ہی کاتبان وحی کی ایک تعداد کا وجود اس حقیقت کو واضح کر دیتے ہیں کہ قرآن میں تحریف ایک ناممکن بات رہی ہے۔

نیز اس معروف قرآن کے علاوہ کوئی دوسرا قرآن بھی موجود نہیں ہے۔اس کی دلیل بھی بالکل واضح ہے اور تحقیق کا راستہ سب کے لیے کھلا ہے۔کیونکہ آج تمام گھروں، تمام مساجد اور ملک کی تمام لائبریریوں میں قرآن موجود ہے۔

یہاں تک کہ صدیوں پہلے لکھے گئے قلمی نسخے ہمارے عجائب گھروں میں موجود ہیں۔یہ سب بیانگ دھل اعلان کر رہے ہیں کہ یہ وہی قرآن ہیں جو باقی اسلامی ممالک میں موجود ہیں۔اگر قبل ازیں ان مسائل پر تحقیق کے وسائل فراہم نہ تھے تو آج تو تحقیق کا دروازہ سب کے لیے کھلا ہے۔تھوڑی سی تحقیق سے ہی اس طرح کی غلط نسبتوں کا بے بنیاد

ہونا ثابت ہو جائے گا۔

”فَبَشِّرْ عِبَادِ ۝ الَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ط “یعنی میرے ان بندوں کو بشارت دو جو باتیں سنتے ہیں اور ان میں سے سب سے اچھی کی پیروی کرتے ہیں (سورہ زمر آیت ۱۸،۱۷)

ہمارے ہاں دینی علوم کے مراکز میں آج بڑے وسیع پیمانے پر قرآنی علوم کی تدریس کا سلسلہ جاری ہے۔ان کا ایک بہت ہی اہم موضوع قرآن میں تحریف اور تبدیلی کا نہ ہونا ہے۔ [1]

۲۷۔انسان کی مادی و معنوی ضروریات اور قرآن :

ہمارا عقیدہ ہے کہ انسان کی معنوی اور مادی زندگی کے لیے ضروری بنیادی اصول قرآن میں بیان کر دیے گئے ہیں۔اس کتاب میں حکومت اور سیاسی معاملات کو چلانے، دوسرے معاشروں سے تعلقات ، باہمی زندگی ، صلح و جنگ اور عدالتی و اقتصادی مسائل وغیرہ کے بنیادی اصول وضوابط بیان کر دیے گئے ہیں۔ان پر عمل درآمد سے ہماری زندگی روشن ہو جاتی ہے۔

”وَنَزَّلْنَا عَلَیْکَ الْکِتٰبَ تِبْیَانًا لِّکُلِّ شَیْءٍ وَّهُدًی وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰی لِلْمُسْلِمِیْنَ ۝ “یعنی ہم نے یہ کتاب آپ پر نازل کی جو چیزوں کو بیان کرنے والی ہے اور مسلمانوں کے لیے ہدایت ،رحمت اور بشارت ہے۔(سورہ نحل آیت ۸۹)

اسی وجہ سے ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ اسلام ہرگز حکومت اور سیاست سے جدا نہیں ہے۔اسلام مسلمانوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ اپنی حکومت خود چلائیں اور اس کے ذریعے اسلامی

[1] ہم ان کتابوں میں چاہے وہ تفسیر کی ہوں یا اصول کی عدم تحریف کے سلسلے میں تفصیلی گفتگو کی ہے (انوارالاصول اور تفسیر نمونہ کی طرف ہیں)

اقدار کو زندہ کریں اور اسلامی معاشرہ کی تربیت اس طرح کریں کہ سب لوگ عدل و انصاف کے راستے پر گامزن ہوں۔ یہاں تک کہ دوست و دشمن کے معاملے میں بھی عدالت سے کام لیں۔

یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُھَدَآءَ لِلّٰہِ وَلَوْعَلٰۤی اَنْفُسِکُمْ اَوِ الْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ ج "یعنی اے ایمان لانے والو! مکمل طور پر عدالت قائم کرو اور خدا کے لیے گواہی دو۔ اگرچہ (یہ گواہی) خود تمہارے یا والدین اور رشتہ داروں کے لیے نقصان دہ ہو (سورہ نساء آیت ۱۳۵)

"وَلَایَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤی اَلَّاتَعْدِلُوْا ط اِعْدِلُوْا قف ھُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی ز" یعنی کسی گروہ کی دشمنی تمہارے گناہ کرنے اور عدل کا دامن چھوڑ دینے کا باعث ہرگز نہ بننے پائے۔ عدل سے کام لو کہ یہ تقویٰ اور پرہیزگاری کے نزدیک ہے (سورہ مائدہ آیت ۸)

۲۸۔ تلاوت، تدبر، عمل:

ہمارا عقیدہ ہے کہ قرآن کی تلاوت بہترین عبادتوں میں سے ایک ہے۔ بہت کم عبادتیں اس کی ہم پلہ ہیں کیونکہ یہ قرآن کے بارے میں غور وفکر کرنے، تدبر کرنے اور نیک اعمال کا سرچشمہ ہے۔ قرآن پیغمبر اسلامؐ کو مخاطب کر کے کہتا ہے۔ "قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلاً ہ نِصْفَہٗۤ اَوِانْقُصْ مِنْہُ قَلِیْلاً اَوْزِدْ عَلَیْہِ وَ رَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلاً ہ "یعنی رات کو اٹھو مگر پوری رات نہیں، تھوڑی آدھی رات یا اس سے بھی کچھ کم کر دو یا کچھ زیادہ کر دو اور قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر با قاعدہ پڑھو (سورہ مزمل آیت ۲ تا ۴)

"فَاقْرَءُ وْا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ط" پس جس قدر ممکن ہو قرآن کی تلاوت کرو۔ (سورہ مزمل آیت ۲۰)

لیکن جس طرح بیان کیا گیا تلاوت قرآن اس کے معانی اور مطالب میں تدبر اور

تفکر کا ذریعہ ہو اور یہ تفکر و تدبر بھی قرآن پر عمل کا مقدمہ بنے۔ ''اَفَلاَ یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُھَا٥''، یعنی کیا وہ قرآن میں تدبر نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر تالے پڑے ہیں؟ (سورہ محمد آیت ۲۴)

''وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّکْرِ فَھَلْ مِنْ مُّدَّکِرٍ ٥''، یعنی ہم نے قرآن کو نصیحت کے لیے آسان بنایا ہے تو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے (اور عمل کرنے والا ہے)(سورہ قمر آیت 17)

ایک جگہ پر ارشاد ہوتا ہے ''ھٰذَا کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰہُ مُبٰرَکٌ فَاتَّبِعُوْہُ'' یعنی یہ بابرکت کتاب ہے جسے ہم نے (آپ پر) نازل کیا ہے لہٰذا اس کی پیروی کرو (سورہ انعام آیت ۱۵۵)

لہٰذا وہ لوگ جو فقط قرآن کی تلاوت اور اسے حفظ کرنے پر اکتفا کرتے ہیں نیز قرآن میں تدبر اور اس کے مطابق عمل سے محروم رہتے ہیں۔ اگرچہ وہ ان تین ارکان میں سے ایک رکن کو انجام دیتے ہیں۔ لیکن دو اہم ارکان سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ وہ زبردست خسارے میں ہیں۔

۲۹۔ گمراہ کن مباحث:

ہمارا عقیدہ ہے کہ مسلمانوں کو آیات قرآنی میں تدبر سے روکنے کے لیے ہمیشہ خفیہ ہاتھ کام کرتے رہے ہیں۔ بنی امیہ اور بنی عباس [۱] کے دور میں قرآن کے قدیم یا حادث ہونے کا مسئلہ چھیڑ کر مسلمانوں کو دو گروہوں میں تقسیم کیا گیا اور ان کو لڑایا گیا جس کے نتیجے میں بہت سی جانیں ضائع ہوگئیں۔

---

[۱] بعض تاریخی کتابوں میں مذکور ہے کہ عباسی خلیفہ مامون نے اپنے ایک قاضی کی مدد سے یہ حکم صادر کیا کہ جو لوگ قرآن کو مخلوق نہ سمجھیں انہیں سرکاری عہدوں سے ہٹادیا جائے اور عدالت میں ان کی گواہی بھی نہ سنی جائے۔ (تاریخ قرآن کریم، ص۲۶۰)

حالانکہ اب ہم جانتے ہیں کہ یہ موضوعات اختلاف اور نزاع کے قابل نہیں ہیں کیونکہ اگر کلام اللہ سے مراد حروف ،نقوش، کتابت اور کاغذ ہو تو کسی شک کے بغیر یہ سب حادث امور ہیں اور اگر اس سے مراد علم پروردگار میں موجود معانی ہوں تو چونکہ خدا کا علم اس کی ذات کی طرح قدیم اور ازلی ہے لہٰذا یہ بھی ازلی ہے۔لیکن جائر حکمرانوں اور ظالم خلفاء نے لوگوں کو سالہا سال اس مسئلے میں مشغول رکھا۔اب کچھ اور مرموز ہاتھ مسلمانوں کو دوسرے طریقوں سے قرآن میں تدبر اور اس پر عمل سے روک رہے ہیں۔

۳۰۔تفسیر قرآن کے اصول و ضوابط:

ہمارا عقیدہ ہے کہ قرآنی الفاظ کے عرفی اور لغوی معانی پر عمل کرنا چاہیے مگر یہ کہ آیات کے اندر یا باہر کوئی عقلی یا نقلی قرینہ ہو جو کسی دوسرے معنی پر دلالت کرے۔لیکن مشکوک شواہد کا سہارا لینے سے پرہیز کیا جائے اور گمان وظن کے ذریعے قرآنی آیات کی تفسیر نہ کی جائے۔

مثلاً قرآن جب یہ کہتا ہے کہ ''وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى'' یعنی جو اس دنیا میں نابینا ہوگا وہ آخرت میں بھی نابینا اور گمراہ ہوگا۔(سورہ اسراء آیت۷۲) تو ہمیں یقین ہے کہ یہاں ''اعمیٰ'' سے مراد وہ ظاہری نابینا نہیں ہے جو اعمیٰ کا لغوی معنی ہے۔کیونکہ بہت سے نیک اور پاک لوگ ظاہری طور پر نابینا اور اندھے تھے بلکہ اس سے مراد باطنی اندھاپن اور نابینائی ہے۔یہاں پر عقلی قرینہ اس تفسیر کا باعث بنا ہے۔

اسی طرح قرآن بعض اسلام دشمن لوگوں کے متعلق کہتا ہے ''صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ'' یعنی وہ بہرے گونگے اور اندھے ہیں اسی وجہ سے کوئی بات نہیں سمجھتے (سورہ بقرہ آیت ۱۷۱) یہ بات واضح ہے کہ وہ ظاہری طور پر بہرے، گونگے اور اندھے نہیں تھے بلکہ یہ ان کی باطنی صفات تھیں۔(ہم نے یہ تفسیر ان قرائن حالیہ کی وجہ سے

کی ہے جو ہمارے سامنے موجود ہیں)۔

بنابریں قرآن جب خدا کے بارے میں یہ کہتا ہے: "بَلْ یَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ لا" یعنی خدا کے دونوں ہاتھ کھلے ہیں (سورہ مائدہ آیت ٦٤) یا یہ فرماتا ہے: "وَاصْنَعِ الْفُلْکَ بِاَعْيُنِنَا" یعنی اے نوح ہماری آنکھوں کے سامنے کشتی بنا۔ (سورہ ہود آیت ٣٧) تو ان آیات کا مطلب یہ بالکل نہیں کہ خدا جسمانی اعضا مثلاً کان، آنکھ اور ہاتھ رکھتا ہے۔ کیونکہ ہر جسم اجزاء پر مشتمل ہوتا ہے اور زمان، مکان اور جہت کا محتاج ہوتا ہے اور آخر کار فنا ہو جاتا ہے۔ حالانکہ خدا ان صفات سے منزہ ہے لہٰذ "یداہ" (اس کے دونوں ہاتھ) سے مراد خدا کی وہی قدرت کاملہ ہے جس نے کائنات کو اپنے قبضے میں لے رکھا ہے اور "اعین" (آنکھوں) سے مراد تمام چیزوں کے بارے اس کا علم ہے۔

لہٰذا ہم مذکورہ بالا الفاظ (خواہ خدا کی صفات کے متعلق ہوں یا کچھ اور ہوں) سے چمٹ کر عقلی اور نقلی قرائن سے چشم پوشی کو درست نہیں سمجھتے کیونکہ دنیا کے تمام سخنوروں کی روش یہ ہے کہ وہ اس طرح کے قرائن کا سہارا لیتے ہیں اور قرآن نے بھی اسی روش کی تائید کی ہے: "وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ" یعنی ہم نے ہر رسول کو اس کی قوم کی زبان کے ساتھ بھیجا ہے (سورہ ابراہیم آیت ۴) لیکن جیسے پہلے بتایا گیا ہے ان قرائن کا قطعی اور واضح ہونا ضروری ہے۔

٣١۔ تفسیر بالرائے کے خطرات:

ہمارا عقیدہ ہے کہ تفسیر بالرائے قرآن مجید کے خلاف ایک انتہائی خطرناک منصوبہ ہے۔ احادیث میں اس کا شمار گناہان کبیرہ میں کیا گیا ہے۔ یہ خدا کی بارگاہ سے دھتکارے جانے کا سبب ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ خدا فرماتا ہے: "ما آمن بی من فسر برایہ کلامی" یعنی جو شخص میرے کلام کی تفسیر اپنی مرضی (اپنی خواہشات) کے

مطابق کرے وہ مجھ پر ایمان نہیں لے آیا۔(وسائل الشیعہ جلد ۱۸ صفحہ ۲۸ حدیث ۲۲)

یہ بات واضح ہے کہ اگر وہ صحیح طور پر ایمان لا چکا ہوتا تو کلام خدا کو اسی طرح قبول کرتا جس طرح کہ وہ ہے نہ کہ اس طرح جس طرح اس کی مرضی اور خواہش ہو۔

بہت سی مشہور کتابوں مثلاً صحیح ترمذی، نسائی، ابوداؤد وغیرہ میں نبی اکرم ؐ کی یہ حدیث آئی ہے ''**من قال فی القرآن برایه او بما لا یعلم فلیتبوء مقعده من النار**''یعنی جو قرآن کی تفسیر اپنی مرضی سے کرے یا اس کے متعلق بغیر علم کے کوئی بات کہے تو وہ جہنم میں اپنا ٹھکانہ بنالے۔[1]

تفسیر بالرائے سے مراد یہ ہے کہ آدمی اپنے ذاتی رجحانات اور فردی یا گروہی عقیدے کے مطابق قرآن کا معنی کرے اور قرآن کو ان پر منطبق کرے۔بغیر اس کے کہ اس مطلب پر کوئی قرینہ یا شاہد موجود ہو۔ایسا شخص حقیقت میں قرآن کا تابع نہیں ہے بلکہ قرآن کو اپنا تابع بنانا چاہتا ہے۔اگر وہ قرآن پر مکمل ایمان رکھتا تو اس طرح کا کام ہرگز نہ کرتا۔

اگر قرآن کے سلسلے میں تفسیر بالرائے کا دروازہ کھل جائے تو یہ بات یقینی ہے کہ قرآن مجید کا اعتبار اٹھ جائے گا اور ہر شخص اپنی مرضی کے مطابق اس کا معنی کرے گا اور ہر باطل عقیدے کو قرآن پر منطبق کرے گا۔

لہٰذا تفسیر بالرائے سے مراد لغوی معانی، ادبیات عرب اور فہم اہل زبان کے معیاروں کے برخلاف قرآن کی تفسیر کرنا اور اس کو اپنے باطل خیالات اور ذاتی خواہشات پر منطبق کرنا یہ حقیقت میں قرآن کی معنوی تحریف ہے۔

تفسیر بالرائے کی مختلف صورتیں ہیں۔ان میں سے ایک آیات قرآنی کے متعلق انتخابی رویہ اپنانا ہے۔وہ یوں کہ (بطور مثال) شفاعت، توحید اور امامت جیسے موضوعات

---

[1] مباحث فی علوم القرآن ص ۳۰۴، یہ کتاب ریاض کے مشہور عالم مناع الخلیل القطان کی تصنیف ہے

میں صرف ان آیات کے پیچھے جائے جو پہلے سے طے شدہ عقیدے کے مطابق ہوں اور ان آیات سے (جو اس کے افکار و نظریات سے ہم آہنگ نہیں لیکن دوسری آیات کی تفسیر کر سکتی ہیں) چشم پوشی کرے یا ان پر توجہ ہی نہ دے۔

مختصر یہ کہ جس طرح قرآن مجید کے ظاہری الفاظ سے چمٹ کر معتبر عقلی و نقلی قرائن کو نظر انداز کر دینا ایک طرح کا انحراف ہے۔ اسی طرح تفسیر بالرائے بھی ایک انحراف ہے یہ دونوں چیزیں قرآن کی عظیم تعلیمات اور اس کے اقدار سے دوری کا باعث بنتی ہیں۔ (غور کیجئے)

۳۲۔ سنت کا سر چشمہ کتاب الله ھے :

ہمارا عقیدہ ہے کہ کوئی ''کفانا کتاب الله'' (ہمارے لئے قرآن کافی ہے) نہیں کہہ سکتا اور احادیث و سنت نبوی کو (جو قرآنی حقائق کی تشریح، قرآن کے ناسخ و منسوخ اور خاص و عام کی فہم سے متعلق ہیں یا اصول و فروع دین کے سلسلے میں اسلام کی تعلیمات کو بیان کرتی ہیں) نظر انداز نہیں کر سکتا۔ کیونکہ قرآنی آیات نے پیغمبر اکرمؐ کی سنت اور ان کے افعال و اقوال کو مسلمانوں کے لیے حجت قرار دیا ہے اور انہیں اسلام اور احکام کے استنباط کا ایک اصلی ماخذ قرار دیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے ''وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ق وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ج'' یعنی رسولؐ اللہ نے جو کچھ تمہیں دیا ہے (اور تمہیں اس کام کا حکم دیا ہے) اسے لے لو (اس پر عمل کرو) اور جس چیز سے روکا ہے اس سے رک جاؤ۔ (سورہ حشر آیت ۷)

ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے: ''وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ط وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا'' یعنی جب اللہ اور رسول کسی چیز کا حکم دیں تو کسی مومن مرد اور

عورت کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اپنی مرضی پر عمل کریں۔ جو بھی خدااوراس کے رسول کی نافرمانی کرے وہ واضح گمراہی کا شکار ہوا ہے۔(سورہ احزاب آیت ۳۶)

جو لوگ سنت رسولؐ کی پرواہ نہیں کرتے حقیقت میں وہ قرآن کی پرواہ نہیں کرتے۔لیکن یہ بات واضح ہے کہ سنت پیامبرؐ کا معتبر ذریعے سے ثابت ہونا ضروری ہے۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ جو بھی شخص جو کوئی بات آنحضرتؐ سے منسوب کرے اسے بے چون و چرا قبول کیا جائے۔

حضرت امام علی علیہ السلام فرماتے ہیں: ''**ولقد کذب علی رسول اللّٰہ حتی قام خطیباً فقال : من کذب علی متعمدا فلیتبوا مقعدہ من النار**''یعنی آنحضرتؐ کے دور میں آپ کی طرف جھوٹی باتیں منسوب کی گئیں یہاں تک آپؐ نے کھڑے ہو کہ خطبہ دیا اور فرمایا جو شخص بھی جان بوجھ کر میری طرف جھوٹی بات منسوب کرے اسے جہنم میں اپنے ٹھکانے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔(نہج البلاغہ خطبہ۲۱۰) اسی سے ملتی جلتی روایت صحیح بخاری میں بھی آئی ہے۔(صحیح بخاری جلد ا صفحہ ۳۸ باب اسم من کذب علی النبیؐ)

۳۳۔ آئمہ اھل بیت علیہم السلام کی سنت :

نیز ہمارا عقیدہ ہے کہ پیغمبر اکرمؐ کے حکم کی رو سے آئمہ اہل بیت علیہم السلام کی احادیث کی اطاعت بھی واجب ہے۔کیونکہ ایک تو یہ کہ فریقین کی مشہور ومعروف کتب احادیث میں سے اکثر کتابوں میں ایک متواتر حدیث بیان ہوئی ہے۔ جو اس بات کو صریحاً بیان کرتی ہے۔صحیح ترمذی میں مذکور ہے کہ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: ''**یاایھاالناس انی قد ترکت فیکم ماان اخذ تم بہ لن تضلوا کتاب اللّٰہ وعترتی اھل بیتی**'' یعنی اے لوگو میں تمہارے درمیان وہ چیز چھوڑ رہا ہوں جس سے تمسک رکھو گے تو ہر گز گمراہ

نہ ہوگے وہ کتاب اللہ اور میری عترت (یعنی اہل بیتؑ) سے عبارت ہے۔ [1]

ثانیاً یہ کہ آئمہ اہل بیت علیہم السلام نے اپنی تمام احادیث پیغمبر اکرمؐ سے روایت کی ہیں اور فرمایا ہے کہ ہم جو کہتے ہیں وہ ہمارے آباؤ اجداد کے ذریعے پیغمبر اکرمؐ سے ہم تک پہنچا ہے۔

ہاں: پیغمبر اکرمؐ مسلمانوں کے مستقبل اور ان کی مشکلات کو واضح طور پر دیکھ رہے تھے۔اس لئے آپؐ نے قرآن اور آئمہؑ کی پیروی کو رہتی دنیا تک ان کی روز افزوں مشکلات کا حل قرار دیا۔

کیا اس قدر اہم، با معنی اور مستند حدیث کو نظر انداز کیا جا سکتا ہے اور بڑے آرام سے اس سے چشم پوشی کی جا سکتی ہے؟

ہمارا عقیدہ ہے کہ اگر اس بات پر اور زیادہ توجہ دی جاتی تو آج کے مسلمان عقائد، تفسیر اور فقہی مسائل میں جن مشکلات کا سامنا کر رہے ہیں ان میں سے کئی ایک مشکلات موجود نہ ہوتیں۔

---

[1] صحیح ترمذی جلد۵ ص۶۶۲ باب مناقب اہل بیت النبیؐ حدیث ۳۷۸۶۔اس حدیث کی متعدد اسناد کا امامت کی بحث میں تفصیل سے ذکر ہوگا۔

چوتھا باب

قیامت، موت کے بعد دوسری زندگی

۳۴۔قیامت کے بغیر زندگی بے مقصد ہے :

ہمارا عقیدہ ہے کہ موت کے بعد تمام انسان ایک دن زندہ ہوں گے اوران کے اعمال کا حساب ہوگا۔نیک اور صالح لوگ بہشت جاوداں میں جائیں گے جبکہ گنہگار اور برے لوگ دوزخ میں بھیج دیے جائیں گے۔

ارشاد ہوتا ہے:''اَللّٰهُ لَآاِلٰهَ اِلَّاهُوَ ط لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَارَيْبَ فِيْهِ ط''یعنی خدا کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔یقیناً وہ تم سب کو قیامت کے دن جمع کرے گا۔جس میں کوئی شک نہیں ہے۔(سورہ نساء آیت ۸۷)

ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے:''فَاَمَّامَنْ طَغٰى o وَاٰثَرَالْحَيٰوةَ الدُّنْيَا oفَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰىo وَاَمَّامَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى oفَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى'' یعنی البتہ وہ کہ جس نے سرکشی کی اور دنیوی زندگی کو ترجیح دی یقیناً اس کا ٹھکانہ جہنم ہے اور جو اپنے پروردگار کے مقام (عدالت) سے ڈرے اور اپنے نفس کو خواہشات سے روکے۔یقیناً اس کا ٹھکانہ جنت ہے۔(سورہ نازعات آیات ۳۷ تا ۴۱)

ہمارا عقیدہ ہے کہ حقیقت میں دنیا ایک پل ہے۔جس سے گزر کر انسان نے عالم بقاء میں جانا ہے۔دوسرے الفاظ میں یہ دنیا آخرت کے لیے ایک یونیورسٹی یا بازار تجارت یا کھیتی ہے۔

حضرت علی علیہ السلام دنیا کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں:''ان الدنيا دار صدق لمن صدقها .... ودار غنى لمن تزود منها، ودارموعظة لمن اتعظ بها، مسجد احباء اللّٰه و مصلى ملا ئكة اللّٰه ومهبط وحى اللّٰه ومتجر

اولیاء اللّٰہ‘‘ یعنی دنیا اس شخص کے لیے صداقت اور سچائی کی جگہ ہے جو اس کے ساتھ سچائی سے پیش آئے اور بے نیازی کی جگہ ہے اس کے لیے جو اس سے زاد راہ جمع کرے۔ نیز بیداری اور ہوشیاری کی جگہ ہے اس کے لیے جو اس سے عبرت حاصل کرے یہ خدا کے دوستوں کے لیے مسجد ہے۔ خدا کے فرشتوں کے لیے نماز پڑھنے کی جگہ ہے۔ وحی الٰہی کے اترنے کی جگہ ہے اور اولیاء اللہ کے لیے ایک تجارت گاہ ہے۔ (نہج البلاغہ کلمات قصار نمبر ۱۳۱)

۳۵۔ قیامت کے دلائل واضح ھیں :

ہمارا عقیدہ ہے کہ قیامت کے دلائل بہت واضح ہیں کیونکہ:

۱۔ اس دنیا کی زندگی یہ بتاتی ہے کہ دنیا انسان کی خلقت کا آخری مقصد نہیں ہوسکتا تا کہ وہ چند دنوں کے لیے آئے، ہزاروں مشکلات میں زندگی بسر کرے اور اس کے بعد سب کچھ ختم ہوجائے اور وہ راہی عدم بن جائے ’’اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ○ ‘‘یعنی کیا تم نے گمان کیا ہے کہ ہم نے تمہیں عبث پیدا کیا ہے اور تمہیں ہماری طرف لوٹ کے نہیں آنا؟ (سورہ مومنون آیت ۱۱۵) یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اگر قیامت نہ ہوتی تو دنیا کی زندگی عبث اور لغو ہوتی۔

۲۔ عدل خداوندی کا یہ تقاضا ہے کہ نیک اور برے لوگ جو اس دنیا میں ایک ہی صف میں کھڑے ہیں۔ بلکہ کبھی تو برے آگے نکل جاتے ہیں۔ ایک دوسرے سے جدا ہوں اور ہر ایک کو اپنے اپنے اعمال کی جزا یا سزا مل سکے۔ ’’اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ ۭ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ○۔ ‘‘یعنی جو لوگ گناہوں کے مرتکب ہوئے ہیں کیا وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ ہم ان کو ان لوگوں کی طرح قرار دیں گے۔ جو ایمان لائے ہیں اور عمل صالح انجام دیتے ہیں؟ اور ان کی زندگی اور موت ایک جیسی ہوگی؟ وہ کتنا برا فیصلہ کرتے ہیں۔ (سورہ جاثیہ آیت ۲۱)

۳۔خدا کی بے پایاں رحمت کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے فیض اور نعمت کا سلسلہ انسان کی موت سے ختم نہ ہو بلکہ باصلاحیت اور اہل افراد کے تکامل کا سلسلہ آگے بڑھتا رہے: ''کَتَبَ عَلٰی نَفۡسِهِ الرَّحۡمَةَ لَيَجۡمَعَنَّكُمۡ اِلٰی يَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ لَارَيۡبَ فِيۡهِ ط ''یعنی خدا نے اپنے اوپر رحمت کو فرض کیا ہے۔ وہ تم سب کو ضرور بہ ضرور قیامت کے دن جمع کرے گا۔ جس میں کوئی شک نہیں ہے۔(سورہ انعام آیت ۱۲)

جو لوگ قیامت کے سلسلے میں شک و تردید کے شکار تھے قرآن ان سے کہتا ہے: یہ کیسے ممکن ہے کہ مردوں کو زندہ کرنے کے سلسلے میں تم خدا کی قدرت میں شک کرو حالانکہ تمہیں پہلی مرتبہ بھی اس نے ہی پیدا کیا ہے۔ جس نے تمہیں پہلی بار مٹی سے پیدا کیا ہے وہی تمہیں ایک بار پھر دوسری زندگی کی طرف پلٹائے گا: ''اَفَعَيِيۡنَا بِالۡخَلۡقِ الۡاَوَّلِ ط بَلۡ هُمۡ فِيۡ لَبۡسٍ مِّنۡ خَلۡقٍ جَدِيۡدٍ o'' یعنی کیا ہم پہلی خلقت سے تھک گئے (جو قیامت کی خلقت پر قادر نہ ہوں)؟ لیکن وہ (ان واضح دلائل کے باوجود) نئی خلقت کے متعلق شک کرتے ہیں۔(سورہ ق آیت ۱۵) ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے: ''وَضَرَبَ لَنَا مَثَلاً وَّنَسِيَ خَلۡقَهٗ قَالَ مَنۡ يُّحۡيِ الۡعِظَامَ وَهِيَ رَمِيۡمٌ o قُلۡ يُحۡيِيۡهَا الَّذِيۡۤ اَنۡشَاَهَاۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ ط وَهُوَ بِكُلِّ خَلۡقٍ عَلِيۡمُ o ''یعنی اس نے ہمارے لیے ایک مثال گھڑی۔ لیکن اپنی آفرینش کو بھلا بیٹھا اور کہا کون ان بوسیدہ ہڈیوں کو زندہ کرے گا؟ کہو کہ جس نے اسے پہلی بار پیدا کیا ہے وہ انہیں دوبارہ زندہ کرے گا اور وہ ہر مخلوق کے بارے میں علم رکھتا ہے(سورہ یٰسین آیت ۷۹،۷۸)

علاوہ ازیں کیا زمین اور آسمان کی خلقت کے مقابل میں انسان کی خلقت کوئی بڑی بات ہے؟ جو ہستی یہ قدرت رکھتی ہے کہ اس قدر وسیع اور حیرت انگیز کائنات کو پیدا کرے وہ یہ طاقت بھی رکھتا ہے کہ موت کے بعد مردوں کو زندہ کردے: ''اَوَلَمۡ يَرَوۡا اَنَّ

اللّٰہَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ یَعْیَ بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰٓی اَنْ یُّحْیِ الْمَوْتٰی ط بَلٰٓی اِنَّهٗ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ o'' یعنی کیا وہ نہیں جانتے کہ جس خدا نے زمین اور آسمان کو پیدا کیا ہے اور جو ان کی خلقت سے عاجز نہیں ہوا وہ اس بات پر قادر ہے کہ مردوں کو زندہ کرے؟ ہاں وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (سورہ احقاف آیت ۳۳)

۳۶۔معاد جسمانی :

ہمارا عقیدہ ہے کہ نہ صرف انسان کی روح بلکہ جسم اور روح دونوں ہی دوسری دنیا میں جائیں گے اور ایک نئی زندگی شروع ہوگی۔ کیونکہ اس دنیا میں جو کچھ انجام پایا تھا وہ اسی بدن اور روح کے ذریعے انجام پایا تھا۔ لہٰذا سزا اور جزا بھی دونوں کو ملنی چاہیے۔

قرآن مجید میں قیامت سے متعلق اکثر آیات میں ''معاد جسمانی'' کی بات کی گئی ہے اور مخالفین کے اس تعجب کا کہ بوسیدہ ہڈیاں کیسے نئی زندگی حاصل کریں گی۔ قرآن نے یہ جواب دیا ہے: قُلْ یُحْیِیْهَا الَّذِیْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ط ''یعنی جس نے انسان کو پہلی بار خاک سے پیدا کیا ہے وہ اس طرح کے کام پر قادر ہے۔ (سورہ یٰسین آیت ۷۹)

''اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَلَّنْ نَجْمَعَ عِظَامَهٗ o بَلٰی قٰدِرِیْنَ عَلٰٓی اَنْ نُّسَوِّیَ بَنَانَهٗ o'' یعنی کیا انسان یہ گمان کرتا ہے کہ ہم اس کی (بوسیدہ) ہڈیوں کو جمع (اور زندہ) نہیں کر پائیں گے؟ ہاں ہم قدرت رکھتے ہیں اس کی (انگلیوں کے) پوروں کو بھی درست کر دیں (اور پہلی حالت میں پلٹا دیں) (سورہ قیامت آیات ۳،۴) یہ آیات اور ان کی طرح کی دوسری آیات معاد جسمانی کو صریحاً بیان کرتی ہیں۔

وہ آیات جو یہ کہتی ہیں کہ تمہیں تمہاری قبروں سے اٹھایا جائے گا۔ وہ بھی واضح طور پر جسمانی معاد پر دلالت کر رہی ہیں۔[۱] قرآن میں قیامت سے متعلق اکثر آیات

---

[۱] مثلاً سورہ یٰسین کی آیات نمبر ۵۱، ۵۲، سورہ قمر کی آیت ۷ اور سورہ معارج کی آیت ۴۳

روحانی معاد اور جسمانی معاد دونوں کو بیان کرتی ہیں۔

۳۷۔موت کے بعد کی عجیب دنیا:

ہمارا عقیدہ ہے کہ موت کے بعد قیامت اور پھر بہشت و دوزخ کے سلسلے میں جو کچھ رونما ہوگا اس کی عظمت کا ہم اس محدود دنیا میں اندازہ نہیں لگا سکتے۔ارشاد ربانی ہے: ''فَلَا تَعۡلَمُ نَفۡسٌ مَّآ اُخۡفِیَ لَهُمۡ مِّنۡ قُرَّةِ اَعۡیُنٍ ''یعنی کوئی نہیں جانتا ان (نیک لوگوں) کے لیے کیسی نعمتیں رکھی گئی ہیں جو ان کی آنکھوں کے لیے ٹھنڈک کی باعث ہیں۔ (سورہ سجدہ آیت ۱۷)

بنی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک بہت ہی مشہور حدیث میں مذکور ہے: ''ان اللہ یقول اعددت لعبادی الصالحین مالاعین رات ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر '' یعنی خدا نے فرمایا ہے کہ خدا نے اپنے نیک بندوں کے لیے ایسی نعمتیں تیار کر رکھی ہیں کہ جنہیں کسی آنکھ نے نہیں دیکھا، کسی کان نے نہیں سنا اور کسی انسان کے دل میں ان کا خیال تک نہیں آیا۔ [1]

حقیقت میں ہم اس دنیا میں اس جنین کی مانند ہیں جو شکم مادر کی محدود دنیا میں رہ رہا ہو۔اگر فرضاً جنین عقل اور ہوش بھی رکھتا تو وہ ان حقائق کا ادراک نہیں کر سکتا جو رحم مادر سے باہر کی دنیا میں موجود ہیں مثلاً درخشان سورج اور چاند، باد سحری کے چلنے، پھولوں کے منظر اور سمندر کی لہروں کی آواز کو ہرگز درک نہیں کرتا۔قیامت کے مقابلے میں دنیا کی مثال ویسی ہی ہے جیسے دنیا کے مقابلے میں جنین کی۔ (اس نکتے پر غور فرمائیے)

---

[1] معروف محدثین مثلاً بخاری و مسلم اور مشہور مفسرین مثلاً طبری، آلوسی اور قرطبی نے یہ حدیث اپنی کتابوں میں نقل کی ہے۔

۳۸۔قیامت اور نامہ اعمال :

ہمارا عقیدہ ہے کہ وہ اعمال نامے جو ہمارے اعمال کی نشاندہی کررہے ہوں گے اس دن ہمارے ہاتھ میں دیے جائیں گے۔ نیک لوگوں کا نامہ اعمال ان کے دائیں ہاتھ میں جبکہ برے لوگوں کا نامہ اعمال ان کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔ نیک اور مومن لوگ اپنا نامہ اعمال دیکھ کر خوش ہوں گے جبکہ برے لوگ اپنا نامہ اعمال دیکھ کر بہت غمگین اور پریشان ہوں گے۔ قرآن مجید نے بھی یہ بیان فرمایا ہے: فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ بِیَمِیْنِهٖ فَیَقُوْلُ هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِیَهْ ۝ اِنِّیْ ظَنَنْتُ اَنِّیْ مُلٰقٍ حِسَابِیَهْ ۝ فَهُوَ فِیْ عِیْشَةٍ رَّاضِیَةٍ۝ فِیْ جَنَّةٍ عَالِیَةٍ ۝ وَقُطُوْفُهَا دَانِیَةٌ ۝ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِیْٓئًا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِی الْاَیَّامِ الْخَالِیَةِ ۝ وَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ لا فَیَقُوْلُ یٰلَیْتَنِیْ لَمْ اُوْتَ كِتٰبِیَهْ ۝'' یعنی وہ شخص جس کا نامہ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا (وہ خوشی سے) پکارے گا کہ (اے اہل محشر) میرا نامہ اعمال پکڑ کر پڑھو۔ مجھے یقین تھا کہ میں اپنے اعمال کا نتیجہ پاؤں گا۔ وہ ایک پسندیدہ زندگی گزارے گا۔لیکن جس شخص کا نامہ اعمال اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا وہ کہے گا کہ اے کاش! میرا نامہ اعمال مجھے نہ دیا جاتا۔ (سورہ الحاقہ آیات ۱۹،۲۵)

البتہ یہ بات واضح نہیں کہ نامہ اعمال کیا ہے اور کس طرح لکھا جاتا ہے جو اس کے اندر لکھی ہوئی باتوں کو کوئی شخص جھٹلا نہیں سکے گا۔ چنانچہ پہلے بھی اشارہ کیا جا چکا ہے کہ معاد اور قیامت کی کچھ ایسی خصوصیات اور جزئیات ہیں جن کا ادراک دنیا کے لوگوں کے لیے مشکل یا ناممکن ہے۔ البتہ قیامت کے بارے میں موٹی موٹی باتیں سب کو معلوم ہیں اور یہ ناقابل انکار ہیں۔

۳۹۔ قیامت کے گواہ:

ہمارا عقیدہ ہے کہ قیامت کے دن علاوہ اس کے کہ اللہ خود ہمارے اعمال پر گواہ اور شاہد ہے کچھ دوسرے گواہ بھی ہمارے اعمال پر گواہی دیں گے۔ ہمارے ہاتھ اور پاؤں یہاں تک کہ ہمارے بدن کی جلد اور وہ زمین جس پر ہم رہ رہے ہیں اس کے علاوہ دوسری تمام چیزیں ہمارے اعمال کی گواہ اور شاہد ہیں: ''اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰى اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ٥'' یعنی ہم آج (قیامت کے دن) ان کے منہ پر مہر لگا دیں گے اور ان کے ہاتھ ہمارے ساتھ گفتگو کریں گے اور ان کے پاؤں ان کے کاموں کی گواہی دیں گے۔ (سورہ یٰسین آیت ۶۵)

''وَقَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا ط قَالُوْٓا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ'' یعنی وہ اپنے بدن کے چمڑوں سے کہیں گے تم نے ہمارے خلاف کیوں گواہی دی؟ وہ جواب میں کہیں گے جس خدا نے ہر چیز کو گویائی عطا کی ہے اس نے ہمیں گویائی عطا کی ہے۔ (اور تمہارے اعمال سے پردہ ہٹانے کی ذمہ داری ہمیں سونپی ہے) (سورہ فصلت آیت ۲۱) '' يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ٥ بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا ٥'' یعنی اس دن زمین اپنی خبریں بیان کرے گی کیونکہ تیرے رب نے اس پر وحی کی ہے (کہ یہ ذمہ داری انجام دے)۔ (سورہ زلزلہ آیت ۴، ۵)

۴۰۔ پل صراط اور میزان اعمال:

ہم قیامت کے دن پل صراط اور میزان کی موجودگی پر ایمان رکھتے ہیں۔ صراط وہی پل ہے جو جہنم کے اوپر سے گزرتی ہے اور سب کو اس سے گزرنا ہوگا۔ ہاں جنت کا راستہ جہنم کے اوپر سے گزرتا ہے: وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا ج كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا٥ ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا ٥ ''یعنی تم سب کے

سب جہنم میں وارد ہو گے۔ یہ تمہارے پروردگار کا یقینی اور حتمی امر ہے۔اس کے بعد متقی لوگوں کو ہم اس سے نجات دیں گے اور ظالموں کو اس کے اندر زانو کے بل گرا ہوا چھوڑ دیں گے (سورہ مریم آیات ۷۲،۷۱)

اس خطرناک اور مشکل راستے سے گزرنا ہمارے اعمال سے وابستہ ہے۔ چنانچہ ایک مشہور حدیث ہے: **''منهم من يمر مثل البرق، ومنهم من يمر مثل عد و الفرس، ومنهم من يمر حبوا، ومنهم من يمر مشيا، ومنهم من يمر متلقا، قد تاخذ النار منه شيئا، وتترک شيئا''** یعنی کچھ لوگ بجلی کی طرح اس سے گزر جائیں گے، کچھ گھوڑے کی تیزی کے ساتھ،بعض ہاتھوں اور گھٹنوں کے بل، کچھ پیدل چلنے والوں کی طرح اور بعض اس سے لٹک کر چلیں گے۔کبھی جہنم کی آگ ان سے کچھ چیزیں لے لے گی اور کچھ چیزیں چھوڑ دے گی۔ [۱]

''میزان'' جیسا کہ اس کے نام سے واضح ہے انسانوں کے اعمال جانچنے کا ایک ذریعہ ہے۔ ہاں اس دن ہمارے تمام اعمال کا حساب لیا جائے گا اور ہاں عمل کے وزن اور قدر و قیمت کا علم ہو جائے گا: **''وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلاَ تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئاًط وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَابِهَا ط وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ ٥''** یعنی ہم قیامت کے دن عدل کے ترازو نصب کریں گے پھر کسی پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں ہوگا اگر چہ کسی کا عمل (اچھے اور برے اعمال) رائی کے دانہ کے برابر ہی کیوں نہ ہو ہم اسے حاضر کریں گے اور ہم حساب کرنے کے واسطے بہت کافی ہیں۔(سورہ انبیاء آیت ۴۷)

---

[۱] یہ حدیث معمولی سے فرق کے ساتھ فریقین کی کتابوں میں آئی ہے مثلاً کنز العمال حدیث ۳۹،۳۶ ۱۳۹اور قرطبی ج۶ص ۴۱۷۵ (سورہ مریم کی آیت ۷۱ کے ذیل میں) نیز شیخ صدوق ؒ نے اپنی آمالی میں حضرت جعفر صادق علیہ السلام سے یہ روایت نقل کی ہے۔صحیح بخاری میں بھی ''الصراط جسر جهنم'' کے عنوان سے ایک باب موجود ہے (دیکھیے صحیح بخاری ج۸ص ۱۴۶)

" فَاَمَّامَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ o فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ o وَاَمَّامَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ o فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ o "یعنی البتہ وہ شخص جس کے اعمال کا پلڑا بھاری ہوگا وہ ایک خوشحال زندگی گزارے گا اور جس کے اعمال کا پلڑا ہلکا ہوگا اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ (سورہ قارعہ آیات ۶ تا۹)

ہاں ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ اس دنیا میں انسان کی نجات اور کامیابی کا دارومدار اس کے اعمال پر ہے نہ اس کی آرزوؤں اور تصورات پر۔ ہر ایک کو اس کے اعمال کا صلہ ملے گا۔ نیکی اور تقوی کے بغیر کوئی کامیاب نہیں ہوگا: "كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ o "یعنی ہر کوئی اپنے اعمال کے بدلے گروی ہے۔ (سورہ مدثر آیت ۳۸)

پل صراط اور میزان کے بارے میں یہ ایک مختصر سی وضاحت تھی اگر چہ ان کی تفصیلات کا ہمیں علم نہیں ہے جیسا کہ پہلے بھی ہم ذکر کر چکے ہیں کہ آخرت کی دنیا اس دنیا سے بہت بڑی ہے جس میں ہم رہ رہے ہیں ۔لہذا اس عالم کی تمام باتوں کا ادراک ہم مادی دنیا کے قیدی انسانوں کے لیے مشکل یا ناممکن ہے۔

٤١۔قیامت کے دن شفاعت :

ہمارا عقیدہ ہے کہ قیامت کے دن انبیاءؑ، آئمہ معصومینؑ اور اولیاء اللہ خدا کے اذن سے بعض گناہ گاروں کی شفاعت فرمائیں گے اور خدا کی بخشش انہیں نصیب ہوجائے گی۔ یہ بات یاد رہے کہ یہ اجازت فقط ان لوگوں کے لیے ہوگی جنہوں نے اللہ اور اولیاء اللہ سے اپنا رابطہ قائم رکھا ہوگا۔لہذا شفاعت مشروط ہے۔ یہ بھی ہماری نیتوں اور اعمال سے ایک طرح کا تعلق رکھتی ہے۔ارشاد ہوتا ہے: "وَلَايَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى "یعنی وہ صرف اسی کی شفاعت کریں گے جس کی شفاعت پر خدا راضی ہوگا (سورۃ انبیاء آیت ۲۸)

جس طرح پہلے اشارہ کیا جاچکا ہے"شفاعت" انسانوں کی تربیت کا ایک ذریعہ اور گناہ میں غوطہ ور ہونے سے روکنے کا ایک طریقہ، نیز اولیاء اللہ سے تعلقات اور روابط

برقرار رکھنے کا ایک وسیلہ ہے۔ گویا یہ انسان سے کہتا ہے اگر تم سے کوئی گناہ ہو بھی گیا ہے تو یہیں سے لوٹ جاؤں اور اس سے زیادہ گناہ مت کرو۔

یقینی طور پر ''شفاعت عظمیٰ'' کا مقام پیغمبر اسلامؐ کو حاصل ہے۔ان کے بعد باقی انبیاء وآئمہ معصومینؑ یہاں تک کہ شہداء، علماء، صاحب معرفت اور کامل مومنین نیز قرآن اور نیک اعمال بھی بعض افراد کی شفاعت کریں گے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ایک حدیث میں مذکور ہے:

''مامن احد من الاولین والاخرین الا وهو یحتاج الی شفاعة محمد یوم القیامة ''یعنی اولین اور آخرین میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو قیامت کے دن حضرت محمدؐ کی شفاعت کا محتاج نہ ہو(بحارالانوار جلد ۸ صفحہ ۴۲)

کنزالعمال میں نبی اکرمؐ کی ایک حدیث یوں کہتی ہے: **''الشفاء خمسة: القرآن والرحم والامانة ونبیکم واهل بیت نبیکم ''**یعنی روز قیامت شفاعت کرنے والے پانچ ہوں گے۔قرآن، صلہ رحمی، امانت، تمہارے نبیؐ اور تمہارے نبی کے اہل بیتؑ '' (کنزالعمال حدیث ۳۹۰۴۱ جلد ۱۴ صفحہ ۳۹۰)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ایک اور حدیث کچھ یوں ہے:

''اذا کان یوم القیامة بعث الله العالم والعابد، فاذا وقفا بین یدی الله عزو جل قیل للعابد انطلق الی الجنة ، وقیل للعالم قف تشفع اللناس بحسن تادیبک لهم '' یعنی جب قیامت کا دن ہوگا تو خدا تعالی عالم اور عابد کو اٹھائے گا۔ جب وہ دونوں خدا کی بارگاہ میں کھڑے ہوں گے تو عابد سے کہا جائے گا جنت میں داخل ہو جاؤ اور عالم سے کہا جائے گا کھڑے رہو اور لوگوں کی جو اچھی تربیت تم نے کی تھی اس کی بناء پر ان کی شفاعت کرو۔ (بحارالانوار جلد ۸ صفحہ ۵٦ حدیث ٦٦) یہ حدیث شفاعت کے فلسفہ کی طرف بھی لطیف اشارہ کررہی ہے۔

۴۲۔ عالم برزخ :

ہمارا عقیدہ ہے کہ اس دنیا اور آخرت کے درمیان ایک تیسری دنیا بھی موجود ہے جس کا نام ''عالم برزخ '' ہے۔موت کے بعد اور قیامت تک تمام انسانوں کی روحیں اس میں ٹھہریں گی۔ ''**وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰی يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ o**'' اوران کے پیچھے (موت کے بعد) قیامت تک ایک برزخ ہے۔(سورہ مومنون آیت ۱۰۰)

البتہ ہم عالم برزخ کی جزیات سے بھی زیادہ آگاہی نہیں رکھتے اور نہ ہی ایسا ممکن ہے۔ہم بس اتنا جانتے ہیں کہ نیک صالح لوگوں کی روحیں جو بلند درجات کی حامل ہیں (جیسے شہداء کی روحیں) عالم برزخ میں بہت سی نعمتوں سے بہرہ مند ہوتی ہیں ۔ ''**وَلَاتَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْافِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ط بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَرَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ o**'' یعنی ایسا ہرگز مت سوچو کہ جو لوگ خدا کی راہ میں مارے گئے ہیں وہ مردہ ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں اور اپنے اللہ کے ہاں رزق پا رہے ہیں (سورہ آل عمران آیت ۱۶۹) نیز ظالموں، متکبروں اور ان کے حامیوں کی روحیں عالم برزخ میں عذاب پائیں گی ۔جس طرح کہ قرآن نے فرعون اور آل فرعون کے بارے میں کہا ہے: ''**اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا وَ يَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ قف اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ o**'' یعنی (برزخ میں) ان کا عذاب (جہنم کی) آگ ہے۔انہیں صبح وشام اس کے آگے کیا جائے گا اور جب قیامت برپا ہوگی (تو ارشاد ہوگا) کہ آل فرعون کو سخت ترین عذاب میں مبتلا کردو۔(سورہ مومن آیت ۴۶)

لیکن تیسرا گروہ جن کے گناہ تھوڑے ہیں وہ نہ اس گروہ کے ساتھ ہیں اور نہ اس گروہ کے ساتھ ۔وہ عذاب وسزا سے بچے رہیں گے۔ گویا وہ عالم برزخ میں نیند جیسی حالت میں ہوں گے اور قیامت کے دن بیدار ہوں گے: ''**وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ**

الْمُجْرِمُوْنَ لا مَالَبِثُوْا غَيْرَ سَاعَةٍ كَذٰلِكَ كَانُوْا يُؤْفَكُوْنَ o وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَالْاِيْمَانَ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ اِلٰى يَوْمِ الْبَعْثِ ز فَهٰذَا يَوْمُ الْبَعْثِ وَلٰكِنَّكُمْ كُنْتُمْ لَاتَعْلَمُوْنَ o '' یعنی اور جس دن قیامت آئے گی تو گنہگار قسم کھائیں گے کہ وہ عالم برزخ میں ایک گھڑی ہی ٹھہرے ہیں۔لیکن وہ لوگ جنہیں علم اور ایمان دیا گیا ہے (وہ مجرموں کو مخاطب کر کے کہیں گے) تم خدا کے حکم سے قیامت کے دن تک (برزخ کی دنیا میں ٹھہرے ہوئے تھے اب قیامت کا دن ہے لیکن تم نہیں جانتے تھے۔ (سورہ روم آیت ۵۶)

احادیث میں ذکر ہوا ہے کہ رسولؐ اللہ نے فرمایا ہے: ''القبر روضة من رياض الجنة او حفرة من حفر النيزان '' یعنی قبر یا تو جنت کے باغات میں سے ایک باغ ہے یا دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا۔ [1]

۴۳۔مادی اور معنوی صلے:

ہمارا عقیدہ ہے کہ قیامت کے دن ملنے والا صلہ مادی پہلو بھی رکھتا ہے اور معنوی بھی کیونکہ معاد روحانی ہونے کے ساتھ ساتھ جسمانی بھی ہوگا۔

قرآن کریم اور احادیث میں بہشت کے باغات کے متعلق کہا گیا ہے کہ ان درختوں کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، ''جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ'' (سورہ توبہ آیت ۸۹) اور یہ کہ جنت کے باغات کے پھل اور سائے ابدی ہوں گے۔ ''اُكُلُهَا دَائِمٌ وَّظِلُّهَا'' (سورہ رعد آیت ۳۵) ''وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ'' (سورہ آل عمران آیت ۱۵)

یاد رہے کہ اسی طرح جہنم کی جلانے والی آگ اور اس کی دردناک سزاؤں کا جو تذکرہ آیا ہے

---

[1] دیکھیئے صحیح ترمذی جلد ۴ کتاب صفۃ القیامۃ باب ۲۶ حدیث ۲۴۶۔شیعہ مآخذ میں یہ حدیث کہیں امیر المومنینؑ سے اور کہیں امام علی بن الحسین (ع) سے روایت کی گئی ہے (بحار الانور ج ۶ ص ۲۱۴،۲۱۸)

وہ سب عالم آخرت کی جسمانی سزا و جزاء سے مربوط ہیں۔
لیکن ان سے بڑھ کر معنوی نعمتیں، معرفت الٰہی کے انوار، پروردگار کا روحانی قرب اور اس کے جمال کے جلوے ہیں یہ وہ لذتیں ہیں جو زبان و بیان کے ذریعے قابل وصف نہیں ہیں۔

قرآن کی بعض آیات میں جنت کی بعض مادی نعمتوں (سرسبز و شاداب باغات اور پاکیزہ گھروں) کے تذکرے کے بعد ارشاد ہوا ہے۔ ''ورضوان من اللہ اکبر ''یعنی خدا کی خوشنودی اور رضا سب سے بڑھ کر ہے۔ اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے۔''ذٰلِکَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ o ''یعنی یہی تو عظیم کامیابی ہے (سورہ توبہ آیت ۷۲) جی ہاں اس سے بڑھ کر لذت بخش بات اور کونسی ہوگی کہ انسان یہ محسوس کرے کہ اس کے عظیم اور پیارے معبود نے اسے اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت بخشا ہے اور اسے اپنی خوشنودی کے سائے میں جگہ دی ہے؟

حضرت امام علی بن الحسین علیہ السلام سے مروی ایک حدیث میں ہے کہ ''یقول (اللہ) تبارک وتعالی رضای عنکم ومحبتی لکم خیر واعظم مما انتم فیہ .... '' یعنی خداوند متعال ان سے کہے گا کہ تم سے میری خوشنودی اور تم سے میری محبت ان نعمتوں سے بہتر اور برتر ہیں جو تمہیں حاصل ہیں۔ وہ سب یہ بات سنیں گے اور اس کی تصدیق کریں گے۔[1]

سچ مچ اس سے بڑھ کر کونسی لذت ہوسکتی ہے کہ انسان سے کہا جائے:
''یٰٓاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ o ارْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً o فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ o وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ o ''یعنی تو اے نفس مطمئنہ اپنے رب کی طرف لوٹ جا اس حالت میں کہ تو اس سے راضی ہو اور وہ تجھ سے۔ پس میرے بندوں کی صف میں شامل ہو جاؤ اور میری جنت میں داخل ہو جاؤ۔ (سورہ فجر آیت ۲۷ تا ۳۰)

---

[1] تفسیر عیاشی سورہ توبہ کی آیت ۷۲ کے ذیل میں بروایت المیزان جلد ۹)

پانچواں باب

امامت

٤٤۔ ہر دور میں امام موجود رہا ہے :

ہمارا عقیدہ ہے کہ جس طرح خدا کی حکمت کا یہ تقاضا ہے کہ انسانوں کی ہدایت کیلئے انبیاءؑ مبعوث کرے اسی طرح اس کی حکمت کا یہ تقاضا ہے کہ ہر دور اور زمانے میں انبیاءؑ کے بعد انسانوں کی ہدایت کے لئے ان کی طرف کوئی امام اور راہنما بھیجا جائے تا کہ وہ انبیاء کی شریعتوں اور ادیان الٰہی کو تحریف وتغیر وتبدل سے بچائے۔ ہر دور کی ضروریات کو واضح کرے اور لوگوں کو خدا اور انبیاءؑ کے دین پر عمل کرنے کی دعوت دے۔ اگر ایسا نہ ہوا تو انسان کی خلقت کا مقصد جو اسے تکامل اور سعادت کی منزل تک پہنچانا ہے پورا نہیں ہوگا۔ انسان ہدایت کے راستے پر گامزن نہیں ہو سکے گا۔ انبیاء کی شریعتیں ضائع ہو جائیں گی اور لوگ سرگرداں ہو جائیں گے۔

اس لئے ہمارا عقیدہ ہے کہ پیغمبر اسلامؐ کے بعد ہر دور اور زمانے میں کوئی نہ کوئی امام موجود رہا ہے۔ ''یَآاَیُّهَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوااللّٰهَ وَ کُوْنُوْامَعَ الصَّادِقِیْنَ ''یعنی اے ایمان والو! تقوی اختیار کرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ (سورہ توبہ آیت ۱۱۹)

یہ آیت کسی خاص دور سے مختص نہیں اور بلا چوں و چرا اس بات کی دلیل ہے کہ ہر زمانے میں ایک ایسا امام معصوم موجود ہے جس کی پیروی ضروری ہے۔ بہت سے شیعہ اور سنی مفسرین نے اپنی تفسیروں میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔[1]

---

[1] اس آیت پر کافی گفتگو کرنے کے بعد فخر الدین رازی نے یوں کہا ہے: یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ جس سے بھی غلطی کا امکان ہو اس کے لئے ضروری ہے کہ اس شخص کا پیروکار اور مطیع ہو جو معصوم ہو، معصومین وہی ہیں جنہیں خدا نے ''صادقین'' کا لقب عطا کیا ہے۔ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

٤٥۔ امامت کیا ھے ؟

ہمارا عقیدہ ہے کہ امامت فقط ظاہری حکومت کا عہدہ نہیں ہے بلکہ ایک نہایت بلند روحانی اور معنوی منصب ہے۔ امام اسلامی حکومت کی قیادت کے ساتھ ساتھ دین و دنیا کے معاملے میں ہمہ گیر ہدایت کا بھی ذمہ دار ہے۔ امام لوگوں کی روحانی وفکری راہنمائی کرتا اور پیغمبر اسلامؐ کی شریعت کو جملہ تحریفات اور تغیر و تبدل سے محفوظ رکھتا ہے۔ امام ان اہداف کو پایہ تکمیل تک پہنچاتا ہے جن کیلئے پیغمبر اکرمؐ مبعوث ہوئے تھے۔

یہ وہی عظیم منصب ہے جو خدا نے ابراہیمؑ خلیل اللہ کو رسالت و نبوت کا راستہ طے کرنے اور متعدد امتحانات میں کامیابی کے بعد عطا کیا۔ انہوں نے بھی خدا کے حضور اپنی ذریت اور اولاد میں سے بعض کے لئے اس عظیم منصب کی درخواست کی اور انہیں یہ جواب ملا کہ ظالم اور گنہگار لوگ ہرگز اس رتبے پر فائز نہیں ہوسکیں گے۔

''وَاِذِابْتَلٰٓی اِبْرَاهِیْمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ قَالَ لَایَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ O'' یعنی اس وقت کو یاد کرو جب خدا نے ابراہیمؑ کو مختلف چیزوں سے آزمایا اور وہ خدا کی آزمائش سے سرخرو ہوکر نکلا۔ خدا نے فرمایا میں نے تجھے لوگوں کا امام بنایا ہے۔ ابراہیمؑ نے عرض کی کہ میری نسل میں سے بھی امام بنایئے۔ خدا نے فرمایا میرا عہد (امامت) ہرگز ظالموں کو حاصل نہیں ہوسکتا۔ (اور تیری نسل سے فقط معصوم لوگوں کو عطا ہوگا)۔ (سورہ بقرہ آیت 124)

واضح ہے کہ اس قدر عظیم منصب صرف ظاہری حکومت سے عبارت نہیں ہوسکتا۔ اگر امامت

لہٰذا یہ بات اس امر کی دلیل ہے کہ ہر وہ شخص جس سے خطا کا امکان ہے اس پر واجب ہے کہ وہ معصوم کا پیروکار اور تابعدار رہوتا کہ معصوم (جو خطا نہیں کرتا) اس انسان کو (جس سے خطا کا امکان ہے) خطا سے روکے۔ یہ مسئلہ تمام زمانوں میں جاری وساری ہے اور کسی خاص زمانے کے ساتھ مختص نہیں ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ہر دور میں ایک معصوم شخصیت موجود ہے۔ دیکھئے تفسیر کبیر جلد ۶ صفحہ ۲۲۱)

کا مفہوم وہ نہ ہو جو ہم نے اوپر بیان کیا تو مذکورہ بالا آیت کا کوئی واضح مفہوم نہیں رہے گا۔

ہمارا عقیدہ ہے کہ تمام اولوالعزم انبیاءؑ کو امامت کا مرتبہ حاصل تھا۔ جو کچھ انہوں نے اپنی رسالت کے ذریعے پیش کیا اس پر خود عمل کیا۔ وہ لوگوں کے معنوی، مادی، ظاہری اور باطنی قائد تھے۔ خاص کر پیغمبر اسلامؐ تو اپنی نبوت کے آغاز سے ہی امامت اور رہبری کے عظیم مرتبے پر فائز تھے۔ ان کا کام فقط خدا کے احکام کو آگے پہنچانا نہیں تھا۔

ہمارا عقیدہ ہے کہ پیغمبر اکرمؐ کے بعد امامت کا سلسلہ ان کی پاک ذریت کے درمیان جاری رہا۔

امامت کی تعریف جو اوپر کی گئی ہے اس سے بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ اس مقام تک رسائی دشوار اور شرائط کی حامل ہے۔ خواہ تقوی (ہر گناہ سے معصوم ہونے کی حد تک) کے لحاظ سے ہو یا علم و دانش اور دین کے تمام معارف و احکامات کو جاننے۔ نیز انسانوں کی شناخت اور ہر عصر میں ان کی ضروریات کو پہنچاننے کے حوالہ سے۔ (غور کیجیے)۔

٤٦۔ امام، گناہ اور غلطی سے معصوم ھے:

ہمارا عقیدہ ہے کہ امام کو ہر گناہ اور غلطی سے معصوم ہونا چاہیے۔ کیونکہ مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں بیان شدہ بات کے علاوہ غیر معصوم شخص پر مکمل اعتماد نہیں کیا جاسکتا اور اس سے دین کے اصول اور فروع اخذ نہیں کیے جاسکتے۔ اس لیے ہمارا عقیدہ ہے کہ امام کی گفتگو اس کے افعال اور تقریر کی طرح حجت اور شرعی دلیل ہے۔ (تقرر سے مراد یہ ہے کہ امام کے سامنے کوئی کام انجام دیا جائے اور اپنی خاموشی کے ذریعے اس کی تائید کرے)۔

٤٧۔ امام شریعت کا محافظ:

ہمارا عقیدہ ہے کہ امام ہرگز اپنے ساتھ کوئی شریعت یا دین لے کر نہیں آتا بلکہ اس

کی ذمہ داری پیغمبر کے دین کی حفاظت اور آپؐ کی شریعت کی نگہبانی ہے۔اس کا کام دین کی تبلیغ وتعلیم، دین کی حفاظت اور لوگوں کو اس دین کی طرف بلانا ہے۔

٤٨ ۔امام لوگوں میں سب سے زیادہ اسلام سے آگاہ ہے:

ہمارا عقیدہ ہے کہ امام کو اسلام کے تمام اصول وفروع، احکام وقوانین اور قرآن کے معانی وتفسیر سے مکمل طور پر آگاہ ہونا چاہئے۔ان چیزوں کے متعلق اس کے علم کا سر چشمہ خدا کی ذات ہے اور یہ علم پیغمبرؐ کے ذریعے اسے حاصل ہوتا ہے۔جی ہاں !اس طرح کے علم پر ہی لوگوں کو مکمل اعتماد ہوسکتا ہے اور اسلام کی حقیقتوں کو سمجھنے کیلئے اس پر ہی اعتماد کیا جاسکتا ہے۔

٤٩ ۔امام کو منصوص ہونا چاهیے:

ہمارا عقیدہ ہے کہ امام (جانشین پیغمبرؐ) کو منصوص ہونا چاہئے یعنی اس کی امامت پیغمبرؐ کے صریح اور واضح فرمان کے مطابق ہونی چاہیے اور بعد والے امام کیلئے پہلے امام کی تصریح ضروری ہے۔بالفاظ دیگر امام بھی پیغمبرؐ کی طرح خدا کی طرف سے (پیغمبر کے ذریعے) متعین ہوتا ہے۔جس طرح ہم نے ابراہیمؑ کی امامت سے متعلق آیت میں پڑھا ہے ''اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا''یعنی میں نے تجھے لوگوں کا امام قرار دیا ہے۔

اس کے علاوہ (عصمت کی حد تک) تقوی اور بلند علمی مقام (جو تمام احکامات اور تعلیمات الٰہی پر ایسے احاطہ کی صورت میں ہو جس میں غلطی واشتباہ کی گنجائش نہ ہو) کی موجودگی کا علم صرف خدا اور رسول کے پاس ہی ہوسکتا ہے۔

بنابرایں ہمارے عقیدے کی رو سے معصوم اماموں کی امامت لوگوں کی رائے سے حاصل نہیں ہوسکتی۔

۵۰۔اماموں کا تعین، رسول خدا کے ذریعے:

ہمارا عقیدہ ہے کہ پیغمبر اکرمؐ نے اپنے بعد والے اماموں کو متعین فرمایا ہے۔

حدیث ثقلین (جو مشہور و معروف ہے) میں حضورؐ نے اماموں کا اجمالی ذکر کیا ہے۔

صحیح بخاری میں مذکور ہے کہ مکہ و مدینہ کے درمیان ''غدیر خم'' نامی جگہ پر پیغمبر اکرمؐ نے کھڑے ہو کر ایک خطبہ دیا۔اس کے بعد فرمایا: میں عنقریب تم لوگوں سے جدا ہو جاؤں گا۔''**انی تارک فیکم الثقلین** ''**اولهما كتاب الله فيه الهدى و النور ..... ذكر الله في اهل بيتي** '' یعنی میں تمہارے درمیان دو گراں قدر چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں۔ان میں سے پہلی چیز کتاب اللہ ہے جس میں نور اور ہدایت ہے ۔اور (دوسری چیز) میرے اہل بیتؑ ہیں۔میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ میرے اہل بیتؑ کے سلسلے میں خدا کو فراموش نہ کرنا (آنحضرتؐ نے یہ جملہ تین بار دہرایا) [۱]

صحیح ترمذی میں بھی اس بات کا ذکر ہوا ہے اور صریحاً مذکور ہے کہ اگر ان دونوں سے متمسک رہو گے تو ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔ [۲]

یہ حدیث سنن دارمی [۳] خصائص نسائی [۴] مسند احمد [۵] اور دیگر مشہور و معروف اسلامی کتب میں مذکور ہے۔اس میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں ہو سکتا۔حقیقت میں اس حدیث کا شمار ان متواتر احادیث میں ہوتا ہے جن کا انکار کوئی مسلمان نہیں کر سکتا۔احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبر اکرمؐ نے ایک مرتبہ نہیں بلکہ کئی مرتبہ مختلف مواقع پر یہ حدیث بیان فرمائی ہے۔

۱۔ صحیح مسلم جلد۴ صفحہ نمبر ۱۸۷۳ ۲۔ صحیح ترمذی جلد۵ صفحہ نمبر ۶۶۲

۳۔ سنن داؤس، جلد۲ صفحہ نمبر ۴۳۲ ۴۔ خصائص انسائی، صفحہ نمبر ۲۰

۵۔ مسند احمد، جلد۵ صفحہ نمبر ۸۶ اور کتاب کنز العمال ج ص نمبر 185 حدیث نمبر 948

واضح سی بات ہے کہ پیغمبر اکرمؐ کی ذریت کے سارے لوگ اس عظیم مرتبے کے حامل اور قرآن کے ہم پلہ نہیں ہو سکتے۔لہٰذا یہ پیغمبرؐ کی ذریت میں سے فقط معصوم اماموں کی طرف اشارہ ہے۔(یاد رہے کہ صرف کمزور اور مشکوک احادیث میں اہل بیتی کی جگہ لفظ سنتی مذکور ہے)

اس سلسلے میں ہم ایک اور معروف حدیث سے استدلال کریں گے جو صحیح بخاری، صحیح مسلم، صحیح ترمذی، صحیح ابوداؤد، مسند حنبل اور دیگر کتب میں مذکور ہے۔پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا ہے۔''**لایزال الدین قائما حتی تقوم الساعة اویکون علیکم اثنتی عشر خلیفة کلهم من قریش** ''یعنی دین اسلام قائم رہے گا یہاں تک کہ قیامت آجائے یا بارہ خلیفہ تم پر حکومت کریں۔یہ خلیفے سب کے سب قریش سے ہوں گے۔[1]

ہمارا عقیدہ ہے کہ ان روایات کی قابل قبول تفسیر صرف وہی ہو سکتی ہے جو بارہ اماموں کے متعلق شیعہ امامیہ نے کی ہے۔ذرا غور فرمائیں کہ کیا اس کے علاوہ کوئی معقول تفسیر ہو سکتی ہے؟

۵۱۔پیغمبر اکرمؐ کے ذریعے حضرت علیؑ کا تعین :

ہمارا عقیدہ ہے کہ پیغمبرؐ اسلام نے متعدد جگہوں پر حضرت علی علیہ السلام کو بالخصوص اپنے جانشین کے طور پر(خدا کے حکم سے)معین فرمایا ہے۔چنانچہ ایک دفعہ حجۃ الوداع سے لوٹتے وقت صحابہؓ کے ایک عظیم اجتماع میں غدیر خم(جحفہ کے نزدیک ایک جگہ)کے مقام پر خطبہ دیتے ہوئے فرمایا''**ایھا الناس الست اولی بکم من انفسکم قالوا بلی،**

---

[1] صحیح مسلم جلد۳ صفحہ ۱۴۵۳ میں یہ عبارت ''جابر بن سمرہ'' نے نبی اکرمؐ سے نقل کی ہے۔یہی عبارت مختصر سے فرق کے ساتھ مذکورہ بالا کتب میں مذکور ہے۔(دیکھئے صحیح بخاری جلد۳ صفحہ ۱۰۱، صحیح ترمذی جلد۴ صفحہ ۵۰۱ اور صحیح ابی داؤد جلد۴ کتاب المہدی)

قال: فمن کنت مولاہ فعلی مولاہ ''یعنی اے لوگو کیا میں تم پر تمہاری نسبت زیادہ اختیار نہیں رکھتا؟ انہوں نے کہا کیوں نہیں۔ آپؐ نے فرمایا: پس جس کا میں مولا ہوں اس کا مولا علیؑ ہے۔[1]

یہاں چونکہ ہم نہیں چاہتے کہ ان عقائد کے مزید دلائل بیان کریں اور بحث و تمحیص کو طول دیں لہٰذا ہم یہی کہنے پر اکتفاہ کرتے ہیں کہ مذکورہ حدیث کو آسانی سے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا اور نہ اسے ایک عام سی خوشنودی یا محبت کے اظہار پر محمول کیا جاسکتا ہے جبکہ پیغمبرؐ اسلام نے اتنے بڑے اہتمام اور تاکید کے ساتھ اسے بیان کیا ہے۔

کیا یہ وہی چیز نہیں ہے جس کا ابن کثیر نے اپنی تاریخ الکامل میں ذکر کیا ہے؟ کہ پیغمبرؐ نے اپنی تبلیغ کا آغاز قرآنی آیت ''وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ'' (سورۃ الشعراء آیت ۲۱۴) کے نزول کے بعد اپنے عزیزوں کو جمع کیا اور ان کے سامنے اسلام پیش کرنے کے بعد فرمایا ''ایکم یوازرنی فی ھذا الامر علی ان یکون اخی ووصیی و خلیفتی فیکم ''یعنی تم میں سے کون اس کام میں میری مدد کرے گا تاکہ وہ میرا بھائی، میرا وصی اور تمہارے درمیان میرا خلیفہ و جانشین ہو؟

حضرت علیؑ کے سوا کسی نے پیغمبرؐ کی بات کا جواب نہ دیا۔ حضرت علی علیہ السلام نے عرض کیا: ''انایانبی اللہ اکون وزیرک علیہ'' یعنی اے اللہ کے نبی میں اس کام میں آپ کا وزیر اور مددگار بنوں گا۔

پیغمبر اکرمؐ نے ان کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا ''ان ھذا اخی ووصیی

---

[1] یہ حدیث متعدد اسناد کے ذریعے نبی اکرمؐ سے نقل ہوئی ہے۔ حدیث کے راویوں کی تعداد ۱۱۰ اصحاب ہیں ۸۴ تابعین سے زیادہ ہے۔ ۳۶۰ سے زیادہ اسلامی کتابوں میں یہ حدیث منقول ہے جس کی تفصیل اس مختصر سی کتاب میں بیان نہیں کی جاسکتی۔ (دیکھئے پیام قرآن جلد ۹ صفحہ ۱۸۱ اور مابعد)

و خلیفتی فیکم یعنی بتحقیق یہ میرا بھائی، میرا وصی اور تمہارے درمیان میرا جانشین ہے۔[1]

کیا یہ وہ مسئلہ نہیں ہے جس کا اعلان پیغمبر اسلامؐ اپنی عمر کے آخری حصے میں ایک بار پھر کرنا چاہتے تھے اور اس کی تاکید کرنا چاہتے تھے؟ صحیح بخاری کے بقول آنحضرتؐ نے حکم دیا "ایتونی اکتب کتابا لن تضلوا بعد ابدا" یعنی کوئی چیز (کاغذ و قلم) لے آؤ تا کہ تمہارے لئے ایسی چیز لکھ دوں جس کے بعد تم ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔

اسی حدیث میں مذکور ہے کہ بعض حضرات نے اس سلسلے میں پیغمبر اسلامؐ کی مخالفت کی یہاں تک کہ بہت ہی توہین آمیز بات کی اور رکاوٹ بن گئے۔[2]

ہم ایک بار پھر اس بات کا تکرار کریں گے۔ یہاں ہمارا مقصد عقائد کو مختصر سے استدلال کے ساتھ بیان کرنا ہے اور زیادہ تفصیلی بحث کی گنجائش نہیں ورنہ گفتگو کا انداز کچھ اور ہوتا۔

۵۲۔ ہر امام کی تاکید اپنے بعد والے امام کے بارے میں:

ہمارا عقیدہ ہے کہ بارہ اماموں میں سے ہر ایک کی تائید اس سے پہلے والے امام کے ذریعے ہوتی ہے۔ سب سے پہلے امام حضرت علی علیہ السلام ہیں۔ ان کے بعد ان کے بیٹے حضرت امام حسن علیہ السلام ان کے بعد امام علی علیہ السلام کے دوسرے بیٹے سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام ان کے بعد ان کے بیٹے حضرت علی ابن الحسین علیہ السلام ان کے بعد ان کے بیٹے محمد بن علی الباقر علیہ السلام ان کے بعد ان کے بیٹے جعفر بن محمد الصادق علیہ السلام پھر ان کے بیٹے موسیٰ بن جعفر علیہ السلام ان کے بعد ان کے بیٹے علی بن موسیٰ الرضا علیہ السلام پھر ان کے بیٹے محمد بن علی التقی علیہ السلام ان کے بعد ان کے بیٹے علی بن محمد النقی علیہ السلام ان کے بعد ان کے بیٹے حسن بن علی العسکری علیہ السلام

---

[1] کامل ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۶۳، مسند احمد بن حنبل جلد ۱ صفحہ ۱۱ [2] بخاری نے جلد ۵ صفحہ ۱۱ باب "مرض النبی" میں یہ حدیث بیان کی ہے۔ اس سے زیادہ واضح صحیح مسلم جلد ۳ صفحہ ۱۲۵۹ میں مذکور ہے۔

اورسب سے آخری امام محمد بن الحسن المہدی علیہ السلام ہیں۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ وہ اب بھی زندہ ہیں لیکن لوگوں کی نظروں سے غائب ہیں۔

البتہ حضرت مہدی علیہ السلام (جو دنیا کو عدل وانصاف سے پر کردیں گے جس طرح وہ ظلم وجور سے پر ہوچکی ہوگی) کے وجود پر ایمان صرف ہمارے ساتھ مختص نہیں ہے بلکہ تمام مسلمان اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ بعض سنی علماء نے حضرت مہدی علیہ السلام سے متعلق روایات کے متواتر ہونے پر الگ کتابیں لکھی ہیں۔ ''رابطہ العالم الاسلامی'' کی طرف سے شائع ہونے والے رسالے میں چندسال قبل امام مہدی علیہ السلام سے متعلق ایک سوال کے جواب میں امام کے ظہور کو حتمی قرار دیا گیا تھا اور ساتھ ہی حضرت مہدیؑ کے متعلق پیغمبر کی مشہور و مستند روایات کے کافی سارے اسناد کا ذکر ہوا تھا۔[1] البتہ ان میں سے بعض اس بات کے قائل ہیں کہ حضرت مہدیؑ آخری زمانے میں متولد ہوں گے۔ لیکن ہمارا عقیدہ ہے کہ وہ بارہویں امام ہیں اور اب بھی زندہ ہیں اور جب خدا انہیں زمین سے ظلم وجور کا خاتمہ کرنے اور حکومت عدل الٰہی قائم کرنے کا حکم دے گا تو وہ خروج کریں گے۔

۵۳۔ حضرت علی علیہ السلام سب صحابہؓ سے افضل ہیں:

ہمارا عقیدہ ہے کہ حضرت علی علیہ السلام سب صحابہؓ سے افضل ہیں۔ پیغمبر اکرمؐ کے بعد اسلامی امت میں ان کا مقام سب سے بڑا ہے۔ اس کے باوجود ان کے بارے میں ہر قسم کا غلو حرام ہے۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ جو لوگ حضرت علی علیہ السلام کے لئے مقام الوہیت اور ربوبیت یا اس طرح کی کسی بات کے قائل ہیں وہ کافر اور مسلمانون کے زمرے سے خارج ہیں۔ ہم ان کے عقائد سے بیزار ہیں۔ افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ شیعوں

---

[1] یہ خط ۲۴ شوال ۱۳۹۶ ہجری کو ''رابطہ العالم الاسلامی'' سے مجمع الفقہ الاسلامی کے ڈائریکٹر محمد المنتصر الکتانی کے دستخط کے ساتھ شائع ہوا ہے۔

کے ساتھ ان کا ملتا جلتا نام اس سلسلے میں غلط فہمیوں کا باعث بنتا ہے۔ حالانکہ علماء شیعہ امامیہ نے ہمیشہ اپنی کتابوں میں اس گروہ کو اسلام سے خارج قرار دیا ہے۔

۵٤۔ صحابہؓ، عقل اور تاریخ کی عدالت میں:

ہمارا عقیدہ ہے کہ پیغمبرؐ کے اصحابؓ میں بڑے عظیم جان نثار اور عظمت والے لوگ تھے۔ قرآن وحدیث نے ان کی فضیلت میں بہت کچھ بیان کیا ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم تمام اصحاب پیغمبرؐ کو معصوم ماننے لگیں اور کسی استثناء کے بغیر ان کے اعمال کو درست قرار دیں۔ کیونکہ قرآن میں بہت سی آیات (سورۃ توبہ، سورہ نور اور سورہ منافقین کی آیات) میں ایسے منافقین کا تذکرہ کیا ہے جو اصحاب پیغمبرؐ میں شامل تھے۔ ظاہری طور پر وہ ان کا حصہ تھے لیکن اس کے باوجود قرآن نے ان کی بہت زیادہ مذمت کی ہے۔ دوسری طرف سے بعض لوگ ایسے بھی تھے جنہوں نے پیغمبرؐ کے بعد مسلمانوں میں جنگ کی آگ بھڑکائی۔ انہوں نے وقت کے امام اور خلیفہ کی بیعت توڑ دی اور دسیوں ہزار مسلمانوں کا خون بہایا۔ کیا ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ افراد ہر لحاظ سے پاک ومنزہ تھے؟

بالفاظ دیگر نزاع اور جنگ (مثلاً جنگ جمل وصفین) کے دونوں فریقوں کو کس طرح صحیح اور درست قرار دیا جاسکتا ہے؟ یہ تضاد ہمارے لئے قابل قبول نہیں ہے۔ کچھ لوگ اس مسئلے کی توجیہ کے لئے ''اجتہاد'' کے بہانے کو کافی سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں ایک فریق حق پر تھا اور دوسرا خطا کار لیکن چونکہ اس نے اجتہاد پر عمل کیا لہٰذا خدا کے نزدیک اس کا عذر قابل قبول ہے بلکہ اس کو ثواب ملے گا۔ ہمارے لئے اس استدلال کو قبول کرنا مشکل ہے۔

اجتہاد کا بہانہ بنا کر پیغمبرؐ کے جانشین کی بیعت کیونکر توڑی جاسکتی ہے اور پھر جنگ کی آگ بھڑکا کر بے گناہ لوگوں کا خون کیسے بہایا جاسکتا ہے؟ اگر اجتہاد کا سہارا لے کر اس قدر بے تحاشا خونریزی کی توجیہ کی جاسکتی ہے تو پھر کون سا ایسا کام جس کی توجیہ نہ ہو سکے؟

ہم واضح الفاظ میں کہیں گے کہ ہمارے عقیدے کی رو سے تمام انسانوں یہاں تک کہ پیغمبرؐ کے اصحاب کی اچھائی برائی کا دارومدار ان کے اعمال پر ہے۔قرآن کا یہ زرین اصول ''اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ ''یعنی خدا کے نزدیک تم میں سب سے معزز وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہے (سورہ حجرات آیت ۱۳) ان کو بھی شامل ہے۔

لہٰذا ہمیں ان کے اعمال سامنے رکھتے ہوئے ان کے بارے میں فیصلہ کرنا ہوگا۔ یوں ہم ان سب کے بارے میں ایک منطقی موقف اختیار کرتے ہوئے کہہ سکتے ہیں کہ جو لوگ آنحضرتؐ کے دور میں مخلص اصحابؓ کی صف میں شامل تھے اور پیغمبرؐ کی رحلت کے بعد بھی وہ اسلام کی حفاظت میں کوشاں رہے اور قرآن کے ساتھ اپنے وعدے کو نبھاتے رہے، ہم ان کو اچھا سمجھتے ہیں اور ان کا احترام کرتے ہیں۔لیکن جو لوگ آنحضرتؐ کے دور میں منافقین کی صف میں شامل تھے اور انہوں نے ایسے کام کئے جن سے پیغمبرؐ کا دل دکھا اور پیغمبر اکرمؐ کی رحلت کے بعد انہوں نے اپنا راستہ تبدیل کرلیا اور ایسے کام کئے جو اسلام اور مسلمانوں کے لئے نقصان دہ تھے تو ہم انہیں نہیں مانتے۔قرآن کریم ارشاد فرماتا ہے: ''لَاتَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ یُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَلَوْ کَانُوْآ اٰبَآئَھُمْ اَوْاَبْنَآءَ ھُمْ اَوْاِخْوَانَھُمْ اَوْعَشِیْرَتَھُمْ ط اُولٰٓئِکَ کَتَبَ فِیْ قُلُوْبِھِمُ الْاِیْمَانَ '' یعنی آپ خدا اور قیامت پر ایمان لانے والوں کو خدا اور رسول کے ساتھ نافرمانی کرنے والوں کے ساتھ دوستی کرتے ہوئے نہیں پائیں گے اگرچہ وہ ان کے باپ، اولاد، بھائی یا رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔یہ وہ لوگ ہیں جن کے صفحہ قلوب پر اللہ نے ایمان کو لکھ دیا ہے۔(سورہ مجادلہ آیت ۲۲)

جی ہاں! جو لوگ پیغمبرؐ کی زندگی میں یا حضور کی رحلت کے بعد پیغمبرؐ کو تکلیف پہنچاتے رہے وہ ہمارے عقیدے کے مطابق احترام کے قابل نہیں ہیں۔

لیکن یہ بات فراموش نہیں کرنی چاہئے کہ پیغمبرؐ کے بعض اصحابؓ نے اسلام کی ترقی کے لئے بڑی بڑی قربانیاں دی ہیں ۔خدا نے بھی ان کی تعریف وتمجید کی ہے ۔اسی طرح جولوگ ان کے بعد آئے یا دنیا کے خاتمے تک آتے رہیں گے اگر وہ حقیقی اصحابؓ کے راستے پر چلتے ہوئے ان کے مشن کو آگے بڑھائیں تو وہ بھی تعریف اور مدح کے لائق ہیں ۔ ارشاد ہوتا ہے ''وَالسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ '' یعنی مہاجرین اور انصار میں سبقت کرنے والے اولین افراد نیز نیکیوں میں ان کی پیروی کرنے والوں سے اللہ راضی ہے اور وہ اللہ سے راضی ہیں ۔(سورۃ توبہ آیت ۱۰۰)

(یہ ہے پیغمبر اسلامؐ کے اصحابؓ کے متعلق ہمارے عقیدے کا خلاصہ)

۵۵۔اهل بیتؑ کے علوم پیغمبرؐ سے ماخوذ ھیں :

ہمارا عقیدہ ہے کہ چونکہ متواتر روایات کے مطابق پیغمبر اکرمؐ نے ہمیں اہل بیتؑ اور قرآن کے متعلق حکم دیا ہے کہ ہم ان دونوں کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں تا کہ ہم ہدایت پائیں نیز چونکہ ہم آئمہ اہل بیت علیہم السلام کو معصوم سمجھتے ہیں اس لئے ان کی ہر بات اوران کا ہر عمل ہمارے لئے حجت اور دلیل ہے ۔اسی طرح ان کی تقریر (یعنی ان کے سامنے کوئی کام انجام پائے اور وہ اس سے منع نہ کریں) بھی حجت ہے ۔بنابریں قرآن وسنت کے بعد ہمارا ایک فقہی ماخذ آئمہ اہل بیتؑ کا قول،فعل اور تقریر ہے۔

نیز چونکہ متعدد اور معتبر روایات کے مطابق آئمہ اہل بیت علیہم السلام نے فرمایا ہے کہ ان کے فرامین رسولؐ اللہ کی احادیث ہیں جو وہ اپنے آباؤ اجداد سے نقل کرتے ہیں بنابریں واضح ہے کہ حقیقت میں ان کے فرامین پیغمبرؐ کی روایات ہیں ۔ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ پیغمبر اکرمؐ سے ثقہ اور بااعتماد شخص کی روایت تمام علمائے اسلام کے نزدیک قابل قبول ہے

امام محمد بن علی الباقر علیہ السلام نے جابرؓ سے فرمایا ''یاجابر انالو کنا نحدثکم برا ینا وھو انا لکنا من الھالکین ولکنانحدثکم بااحادیث نکنز ھا عن رسول اللہ صلی علیہ والہ وسلم ''یعنی اے جابر اگر ہم اپنی رائے اور خواہشات نفسانی کی بنا پر تمہارے لئے کوئی بات بیان کریں تو ہم تباہ ہونے والوں میں شامل ہو جائیں گے۔ لیکن ہم تمہارے لئے ایسی احادیث نقل کرتے ہیں جو ہم نے رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے خزانے کی صورت میں جمع کی ہیں۔ (جامع احادیث الشیعہ جلد ا صفحہ ۱۸ ازمقدمات حدیث ۱۱۶)

حضرت امام جعفر الصادق علیہ السلام سے مروی ایک حدیث میں مذکور ہے کہ کسی نے امام سے سوال کیا اور حضرتؑ نے جواب دیا۔ اس شخص نے امام کی رائے تبدیل کرنے کی غرض سے بحث شروع کر دی تو امام صادقؑ نے فرمایا: ''ما اجبتک فیہ من شی فھو عن رسول اللہ ''یعنی میں نے تجھے جو جواب دیا ہے وہ پیغمبرؐ سے منقول ہے۔ (اور اس میں بحث کی گنجائش نہیں ہے)۔ (اصول کافی جلد ا صفحہ ۸۵ حدیث ۱۲۱)

قابل غور اور اہم نقطہ یہ ہے کہ حدیث کے سلسلے میں ہمارے پاس کافی، تہذیب، استبصار، من لا یحضرہ الفقیہ اور دوسری معتبر کتابیں موجود ہیں لیکن ہماری نظر میں ان مآخذ، کے معتبر ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان میں موجود ہر روایت ہماری نظر میں قابل قبول ہے بلکہ روایات سے متعلق کتب کے ساتھ ہمارے پاس علم رجال کی کتب بھی موجود ہیں جن میں ہر طبقے کے راویان احادیث پر بحث کی گئی ہے۔ ہمارے نزدیک وہ روایت قابل قبول ہے۔ جس کی سند میں مذکور تمام افراد ثقہ اور قابل اطمینان ہوں۔ لہذا ان مشہور اور معتبر کتب میں جو روایت اس شرط کی حامل نہ ہوں وہ ہماری نظر میں قابل قبول نہیں۔

علاوہ ازیں ممکن ہے کہ کوئی روایت ایسی ہو جس کا سلسلہ سند بھی معتبر ہو لیکن ابتداء

سے لے کر آج تک ہمارے بڑے بڑے علماء اور فقہا نے اسے نظر انداز کیا ہو اور اس پر عمل نہ کیا ہو اور انہیں اس میں کچھ دیگر نقائص نظر آئے ہوں۔ اس قسم کی روایت کو ہم ''معرض عنھا'' کہتے ہیں۔ یہ ہماری نظر میں معتبر نہیں۔

بنابرایں یہ بات واضح ہے کہ جو لوگ ہمارا عقیدہ جاننے کے لئے فقط اور فقط ان کتب میں موجود کسی ایک روایت یا مختلف روایات کا سہارا لیتے ہیں بغیر اس کے کہ روایت کی سند کے بارے میں کوئی تحقیق کریں ان کا طریقہ کار غلط ہے۔

بعض معروف اسلامی فرقوں میں ''صحاح'' کے نام سے کتابیں موجود ہیں جن میں موجود روایات کا صحیح ہونا ان کتابوں کے مصنفین کے نزدیک ثابت ہے۔ نیز دوسرے لوگ بھی ان روایات کو صحیح سمجھتے ہیں۔ لیکن ہمارے نزدیک موجود معتبر کتابیں اس طرح نہیں۔ یہ ایسی کتابیں ہیں جن کے مصنفین معروف اور قابل اعتماد شخصیات ہیں۔ لیکن ان کتابوں میں موجود روایات کی سند کا صحیح ہونا علم رجال کی کتب کی روشنی میں راویوں کی تحقیق پر موقوف ہے۔

مذکورہ بالا نقطے کی طرف توجہ ہمارے عقائد کے متعلق پیدا ہونے والے بہت سے سوالوں کا جواب دے سکتی ہے۔ جس طرح اس سے بے توجہی ہمارے عقائد کی پہچان کے سلسلے میں بہت سی غلط فہمیوں کو جنم دے سکتی ہے۔

بہر حال قرآن مجید کی آیات اور پیغمبر اکرمؐ کی احادیث کے بعد ہماری نظر میں بارہ اماموں کی احادیث معتبر ہیں۔ شرط یہ ہے کہ آئمہ علیہم السلام سے ان احادیث کا صدور معتبر طریقہ سے ثابت ہو۔

چھٹاباب

مختلف مسائل

گزشتہ ابواب میں ذکر ہونے والے مباحث نے دین اسلام کی بنیادوں سے متعلق ہمارے نظریاتی واعتقادی اصولوں کو واضح کیا۔ان کے ساتھ ساتھ ہمارے عقائد کی کچھ اور خاص باتیں ہیں جو اس باب میں بیان کی جاتی ہیں۔

٥٦۔حسن و قبح کا مسئلہ :

ہمارا عقیدہ ہے کہ انسانی عقل بہت سی اشیاء کی خوبی وبدی اور حسن وقبح کا ادراک کرسکتی ہے۔ یہ خوب وبد کی پہچان اس طاقت کی بدولت ہے جواللہ تعالیٰ نے انسان کو عطا کی ہے۔بنابراین آسمانی شریعتوں کے نازل ہونے سے پہلے بھی بعض امور عقل کی بدولت انسانوں کے لئے واضح تھے مثلاً عدل اور نیکی کی خوبی،ظلم وستم کی برائی نیز ہدایت،امانت، شجاعت اور سخاوت جیسی بہت سی اخلاقی صفات کی اچھائی،اسی طرح جھوٹ،خیانت،بخل اور اس طرح کی دوسری صفات کی برائی وقباحت،ان امور میں سے ہیں جنہیں عقل درک کرتی ہے۔لیکن چونکہ عقل تمام اشیاء کی اچھائی و برائی کو سمجھنے سے عاجز ہے اور انسان کی معلومات بہرحال محدود ہیں اس لئے ادیان الٰہی،آسمانی کتب اور انبیاء خدا کی طرف سے اس امر کی تکمیل کے لئے بھیجے گئے تاکہ وہ عقلی ادراکات کی بھی تائید کریں اور ان تاریک گوشوں کو بھی نمایاں کریں جن کے ادراک سے عقل عاجز ہے۔

اگر حقائق کی پہچان کے سلسلے میں ہم عقل کی ذاتی صلاحیت کے سرے سے ہی منکر ہو جائیں تو پھر توحید،خداشناسی،بعثت انبیاء اور آسمانی ادیان کی بات ہی ختم ہو جائے گی۔کیونکہ وجود خدا کا اثبات اور دعوت انبیاء کی حقانیت صرف عقل کے ذریعے ہی قابل

اثبات ہے۔ یہ بات واضح ہے کہ شرعی تعلیمات اسی صورت میں قابل قبول ہیں جب یہ دو اصول (توحید و نبوت) پہلے عقلی دلیل کے ذریعے ثابت ہو چکے ہوں۔ صرف شرعی دلیل کے ذریعے ان دونوں موضوعات کا اثبات ناممکن ہے۔

۵۷۔ عدل الٰہی :

مذکورہ وجوہات کی بنا پر ہم خدا کے عادل ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں اور اس بات کو محال سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالی اپنے بندوں پر ظلم کرے یا بلاوجہ کسی کو سزا دے۔ یا بلا وجہ کسی کو معاف کردے۔ یہ محال ہے کہ وہ اپنا وعدہ وفا نہ کرے اور محال ہے کہ برے اور خطا کار شخص کو اپنی طرف سے نبوت اور رسالت کا مقام عطا فرمائے اور اسے معجزات سے نوازے۔

نیز یہ بھی محال ہے کہ اس نے اپنے جن بندوں کو سعادت کا راستہ طے کرنے کے لئے پیدا کیا ہے انہیں کسی راہنما اور رہبر کے بغیر سرگرداں چھوڑ دے کیونکہ یہ سب کام برے اور قبیح ہیں اور خداوند متعال کے لئے برے اور قبیح کام کا امکان نہیں ہے۔

۵۸۔ انسان کی آزادی :

مذکورہ بالا وجوہات کی رو سے ہمارا عقیدہ ہے کہ خدا نے انسان کو آزاد پیدا کیا ہے انسان اپنے ارادہ میں اختیار کے ذریعے اپنے امور کو انجام دیتا ہے کیونکہ اگر اس کے برعکس ہو یعنی ہم انسانوں کے اعمال کے سلسلے میں جبر کے قائل ہوں تو بروں کو سزا دینا ظلم اور ناانصافی ہوگا اور نیک لوگوں کو جزا دینا بیہودہ اور بے دلیل کام ہوگا۔ اس طرح کا کام خدا کے حق میں محال ہے۔

خلاصہ یہ کہ خوبی و بدی کی پہچان اور بہت سے حقائق کی شناخت میں انسانی عقل کی ذاتی و فطری صلاحیت کو تسلیم کرنا، دین و شریعت اور انبیاءؑ کی نبوت نیز آسمانی کتابوں پر

ایمان لانے کی بنیادی شرط ہے۔لیکن جس طرح پہلے کہا گیا انسانی ادراکات اور علوم محدود ہیں۔اور صرف انہی کے بل بوتے پر سعادت وکمال انسانی سے متعلق تمام حقائق کی پہچان ممکن نہیں ہے اسی وجہ سے انسان بعثت انبیاءؑ اور آسمانی کتب کا محتاج ہے۔

۵۹۔ فقه کا ایک مآخذ عقل ھے:

ہمارا عقیدہ ہے کہ دین اسلام کا ایک بنیادی مآخذ مذکورہ بالا نکات کی روشنی میں عقل ہے یعنی یہ کہ عقل یقینی طور پر کسی چیز کو درک کرے اور اس کے بارے میں فیصلہ کرے مثال کے طور پر اگر (بطور فرض) قرآن اور سنت میں ظلم وخیانت، جھوٹ، قتل، چوری اور لوگوں کے حقوق پامال کرنے کی حرمت پر کوئی دلیل ہی نہ ہوتی تو ہم دلیل عقل کے ذریعے ان چیزوں کو حرام سمجھتے اور یقین رکھتے کہ اس عالم اور حکیم خدا نے ہم پر یہ چیزیں حرام کردی ہیں اور وہ ان کی انجام دہی پر راضی نہیں ہے عقل کا یہ حکم ہمارے اوپر حجت الٰہی محسوب ہوتا ہے۔

قرآنی آیات ایسی عبارتوں سے بھری پڑی ہیں جو عقل اور عقلی دلائل کی اہمیت کو واضح کرتی ہیں۔جادہ توحید پر گامزن ہونے کے لئے قرآن نے ارباب عقل وخرد کو زمین اور آسمان میں موجود خدا کی نشانیوں کا مطالعہ کرنے کی دعوت دی ہے: ''اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ O'' (سورہ آل عمران آیت ۱۹۰)

دوسری طرف سے انسانی عقل وشعور میں اضافہ کو خدا کی نشانیوں کے بیان کا ہدف قرار دیا ہے: ''اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ o '' یعنی دیکھو کہ ہم مختلف تعبیروں سے کس طرح اپنی نشانیاں بیان کرتے ہیں تا کہ وہ سمجھ لیں (سورہ انعام آیت ۶۵)

تیسرا نکتہ: ان دونوں باتوں کے علاوہ تمام انسانوں کو دعوت دی گئی ہے کہ وہ

نیکیوں اور برائیوں میں تمیز کریں اور اس سلسلے میں قوت فکر سے کام لیں۔ ارشاد ہوتا ہے: ''قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيرُ o اَفَلاَ تَتَفَكَّرُوْنَ o'' یعنی کیا نابینا اور بینا (نادان اور دانا) برابر ہیں؟ کیا تم فکر نہیں کرتے؟ (سورہ انعام آیت ۵۰)

چوتھا اور آخری نکتہ یہ ہے کہ جو لوگ اپنے کانوں، آنکھوں اور زبان سے کام نہیں لیتے اور اپنی عقل و خرد سے استفادہ نہیں کرتے انہیں زمین پر چلنے والوں میں سب سے بدترین حیوان قرار دیا گیا ہے: ''اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَايَعْقِلُوْنَ o'' یعنی خدا کے نزدیک زمین پر چلنے والوں میں سب سے برے وہ بہرے اور گونگے افراد ہیں جو عقل سے کام نہیں لیتے (سورہ انفال آیت ۲۲) اور بھی متعدد آیات اس بات کو بیان کرتی ہیں۔

ان دلائل کی موجودگی میں اسلام کے اصول وفروع کے حوالے سے ہم عقل وخرد اور تفکر کی قوت سے کیسے چشم پوشی کر سکتے ہیں؟

٦٠۔عدل الٰهی پر ایک اور نظر:

جیسا کہ پہلے اشارہ کیا جا چکا ہے ہم خدا کے عادل ہونے کا اعتقاد رکھتے ہیں اور یہ یقین رکھتے ہیں کہ خدا اپنے کسی بندے پر کوئی ظلم نہیں کرتا کیونکہ ظلم ایک برا اور ناپسندیدہ کام ہے اور خدا کی ذات اس طرح کے کام سے پاک اور منزہ ہے۔ ''وَلَايَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا o'' یعنی تیرا پروردگار کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ (سورہ کہف آیت ۴۹)

اگر دنیا اور آخرت میں بعض افراد کو سزا ملے گی تو اس کا اصل سبب وہ خود ہے: ''فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ o'' یعنی خدا نے عذاب الٰہی میں مبتلا ہونے والی گزشتہ اقوام پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود اپنے اوپر ظلم کیا کرتے تھے (سورہ توبہ آیت ۷۰)

نہ صرف انسان بلکہ کائنات کی کسی چیز پر بھی خدا ظلم نہیں کرتا ''وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا

لِّلۡعٰلَمِیۡنَ o ''یعنی خدا اہل عالم پر ظلم کا ہرگز ارادہ نہیں رکھتا (سورہ آل عمران آیت ۱۰۸) یاد رہے کہ یہ تمام آیات حکم عقل کی طرف راہنمائی کررہی ہیں اور اسی کی تاکید کررہی ہیں۔

تکلیف مالایطاق کی نفی:

مذکورہ وجوہات کی بنا پر ہمارا عقیدہ ہے کہ خدا ہرگز تکلیف مالایطاق (انسان کی طاقت سے باہر کاموں) کا حکم نہیں دیتا '' **لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَهَا** '' (سورہ بقرہ آیت ۸۶)

٦١۔المناک حادثات کا فلسفہ :

ہمارا عقیدہ ہے کہ اس دنیا میں جو المناک واقعات رونما ہوتے ہیں (مثلاً زلزلے مصیبتیں اور مشکلات) مذکورہ بالا وجوہات کی روشنی میں وہ کبھی تو خدا کی طرف سے سزا کے طور پر واقع ہوتے ہیں جیسا کہ قوم لوط کے متعلق فرمایا گیا ہے: ''**فَلَمَّا جَآءَ اَمۡرُنَا جَعَلۡنَا عَالِیَهَا سَافِلَهَا وَاَمۡطَرۡنَا عَلَیۡهَا حِجَارَةً مِّنۡ سِجِّیۡلٍ ۵ مَّنۡضُوۡدٍ** o ''یعنی جب عذاب کے بارے میں ہمارا حکم آگیا تو ہم نے ان کے شہروں کو ملیا میٹ کردیا اور ان پر پتھروں کی موسلادھار بارش نازل کردی (سورہ ہود آیت ۸۲) اور سبا کے سرکش اور ناسپاس لوگوں کے متعلق ارشاد ہوتا ہے: ''**فَاَعۡرَضُوۡا فَاَرۡسَلۡنَا عَلَیۡهِمۡ سَیۡلَ الۡعَرِمِ** ''یعنی انہوں نے خدا کی اطاعت سے منہ موڑلیا اور ہم نے تباہ کن سیلاب ان کی طرف بھیج دیا (سورہ سبا آیت ۱٦)

نیز ان میں سے بعض واقعات انسانوں کو بیدار کرنے کے لئے ہوتے ہیں تا کہ وہ حق کے راستے کی طرف لوٹ آئیں: ''**ظَهَرَ الۡفَسَادُ فِی الۡبَرِّ وَالۡبَحۡرِ بِمَا کَسَبَتۡ اَیۡدِی النَّاسِ لِیُذِیۡقَهُمۡ بَعۡضَ الَّذِیۡ عَمِلُوۡا لَعَلَّهُمۡ یَرۡجِعُوۡنَ** o'' یعنی خشکی اور سمندروں میں لوگوں کے کاموں کی وجہ سے خرابی آشکار ہوگی۔ خدا چاہتا ہے کہ انہیں ان کے بعض اعمال کا مزہ چکھائے۔ شاید وہ لوٹ آئیں۔ (سورہ روم آیت ۴۱) لہٰذا اس طرح

کی مصیبتیں حقیقت میں خدا کے لطف وکرم کا نتیجہ ہیں۔

بعض مصیبتیں ایسی ہیں جو انسان خود اپنے لئے ڈھونڈ لاتا ہے بالفاظ دیگر وہ اپنی غلطیوں کا خمیازہ بھگتتا ہے: ''اِنَّ اللّٰہَ لَایُغَیِّرُ مَابِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْامَابِاَنْفُسِھِمْ ط'' یعنی یقیناً اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک کہ وہ خود اپنی حالت کو نہ بدلے (سورہ رعد آیت ۱۱)

''مَآاَصَابَکَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰہِ ز وَمَآاَصَابَکَ مِنْ سَیِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِکَ ط''یعنی جو نیکی تجھے نصیب ہو وہ خدا کی طرف سے ہے۔(اوراس کی مدد سے ہے)اور جو برائی تجھے لاحق ہو وہ خود تیری طرف سے ہے(سورہ نساء آیت ۷۹)

٦٢۔ کائنات کا نظام سب سے بھترین نظام ھے :

ہمارا عقیدہ ہے کہ یہ کائنات عالی ترین نظام کا نظارہ پیش کررہی ہے یعنی اس کائنات کا موجودہ نظام ممکنہ نظاموں میں سب سے بہتر نظام ہے۔ ہر چیز حساب کتاب کے مطابق ہے اس میں حق ،عدل ،انصاف اور نیکی کے منافی کوئی بات موجود نہیں ہے اگر انسانی معاشرے میں برائیاں نظر آرہی ہیں تو یہ خود ان کی طرف سے ہیں۔

ہم یہ بات دہراتے ہیں کہ ہمارے عقیدے کی رو سے کائنات کے بارے میں اسلامی نظریے کی ایک اصلی بنیاد عدل الٰہی ہے۔اس کے بغیر توحید،نبوت اور معاد کا عقیدہ بھی خطرے میں پڑجاتا ہے۔غور کیجئے۔

ایک حدیث میں مذکور ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے پہلے فرمایا: ''ان اساس الدین التوحید والعدل ''یعنی دین کی بنیاد توحید اور عدل ہیں۔اس کے بعد فرمایا: اما التوحید فان لاتجوز علی ربک ماجاز علیک واما العدل فان لاتنسب الی خالقک مالامک علیه''توحید یہ ہے کہ جو باتیں تیرے لئے روا ہیں

انہیں تم خدا کے لئے روا نہ سمجھو (اسے ممکنات کی تمام صفات سے پاک ومنزہ سمجھو) اور عدل یہ ہے کہ تم خدا کی طرف کسی ایسے کام کی نسبت نہ دو جسے تم انجام دو تو وہ اس پر تمہاری مذمت کرے۔(بحارالانوار جلد ۵ صفحہ ۱۷ حدیث ۲۳) غور کیجئے۔

۶۳۔ فقہ کے چار مآخذ:

جیسا کے پہلے بھی اشارہ کیا جاچکا ہے ہمارے فقہی منابع (مآخذ) چار ہیں:

۱۔ کتاب اللہ یعنی قرآن مجید جو اسلامی معارف اور احکام کی بنیاد ہے۔

۲۔ پیغمبر اور آئمہ معصومین علیہم السلام (اہل بیتؑ) کی سنت۔

۳۔ علماء اور فقہاء کا اجماع واتفاق جو معصوم کی رائے کا مظہر ہو۔

۴۔ عقل، عقل یا دلیل عقلی سے مراد یقینی اور قطعی دلیل عقلی ہے جو دلیل عقلی ظنی ہو (مثلاً قیاس، استحسان وغیرہ) وہ ہمارے نزدیک کسی بھی فقہی مسئلے میں قابل قبول نہیں ہے۔لہذا اگر فقیہ اپنے گمان کے مطابق ایک چیز میں مصلحت دیکھے لیکن اس کے متعلق کتاب وسنت میں کوئی مخصوص حکم نہ ہو تو وہ اپنے گمان کو حکم خدا کے طور پر پیش نہیں کرسکتا ہے۔اسی طرح شرعی احکام اخذ کرنے کے لئے ظنی قیاسات اور اس طرح کی چیزوں کا سہارا لینا ہمارے نزدیک جائز نہیں ہے۔لیکن جن مقامات پر انسان کو یقین حاصل ہوجائے (جیسے ظلم، جھوٹ، چوری اور خیانت کی برائی کا یقین) تو ان مقامات پر عقل کا حکم معتبر ہے۔عقل کا یہ قطعی حکم ''کل ماحکم به العقل حکم به الشرع '' (عقل جس چیز کا حکم دے شرع کا حکم بھی وہی ہوگا) کے قاعدے کے تحت حکم شرعی محسوب ہوگا۔

حقیقت یہ ہے کہ عبادتی، سیاسی، اقتصادی اور سماجی امور میں مکلّف لوگوں کے لئے ضروری مسائل کے متعلق پیغمبر اور آئمہ معصومین علیہم السلام کی احادیث ہمارے ہاں موجود ہیں اور ظن وگمان پر مشتمل دلیلوں کی ہمیں کوئی ضرورت نہیں ہے۔یہاں تک کہ ہمارا

یہ عقیدہ ہے کہ مسائل مستحدثہ (یعنی وہ مسائل جو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ انسان کو پیش آتے ہیں) کی پہچان کے سلسلے میں بھی کتاب خدا نیز رسولؐ اور آئمہؑ کی سنت میں اصول وضوابط بیان کردیئے گئے ہیں۔ جن کے بعد ہمیں اس طرح کے ظنی دلائل کی ضرورت نہیں رہتی یعنی ان قواعد وضوابط کی طرف رجوع کرنے سے مسائل مستحدثہ کا حکم معلوم ہوجاتا ہے (اس مسئلے کی تفصیل بیان کرنے کی گنجائش اس مختصر سی کتاب میں نہیں ہے) [1]

٦٤۔ اجتهاد کا دروازہ همیشه کھلا هے :

ہمارا عقیدہ ہے کہ شریعت کے تمام مسائل میں اجتہاد کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ تمام صاحب نظر فقہاء مذکورہ بالا چار فقہی مآخذ سے احکام خداوندی کا استنباط کرسکتے ہیں اور ان لوگوں کے سامنے رکھ سکتے ہیں جو استنباط کی قدرت نہیں رکھتے۔ اگرچہ ان کی آراء گزشتہ فقہاء کی آراء سے مکمل مطابقت نہ رکھتی ہوں۔

ہمارا عقیدہ ہے کہ جو لوگ فقہ میں صاحب نظر نہیں ان کو ہمیشہ ایسے زندہ فقہاء کی طرف رجوع کرنا چاہیے جو زمانے کے تقاضوں اور مسائل سے آگاہ ہوں یعنی ان کی تقلید کریں۔ فقہ سے نابلد لوگوں کا فقہ کے ماہرین کی طرف رجوع کرنا ہمارے نزدیک ایک بدیہی ضرورت ہے ان فقہا کو مرجع تقلید کہتے ہیں۔ اسی طرح ہم مردہ فقیہ کی تقلید ابتدائی طور پر جائز نہیں سمجھتے۔ لوگوں کو زندہ فقیہ کی تقلید کرنی چاہیے تاکہ فقہ ہمیشہ ترقی اور تکامل کی طرف رواں دواں رہے۔

٦٥۔ قانون سازی کی ضرورت نهیں :

ہمارا عقیدہ ہے کہ اسلام میں قانونی خلا موجود نہیں یعنی اسلام نے قیامت تک انسان کے لئے ضروری احکام بیان کردیئے ہیں البتہ گاہے خاص صورت میں اور کبھی ایک

[1] کتاب ''المسائل محدثہ'' میں ہم نے یہ بات تفصیل سے بیان کی ہے۔

عام اور کلی حکم کے ضمن میں ۔اسی وجہ سے ہمارے نزدیک فقہاء کو قانون سازی کا حق حاصل نہیں ۔ بلکہ ہم ان کی ذمہ داری سمجھتے ہیں کہ وہ مندرجہ بالا چار مآخذ سے احکام اخذ کریں اور سب کے سامنے رکھیں ۔ کیا خود قرآن نے سورہ مائدہ (جو پیغمبر اسلامؐ پر نازل ہونے والی آخری سورت یا آخری سورتوں میں سے ایک ہے) میں یہ نہیں فرمایا: ''اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا '' یعنی آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت مکمل کر دی اور اسلام کو تمہارے دین کے طور پر قبول کرلیا؟'' (سورہ مائدہ آیت ۳) اگر اسلام تمام زمانوں اور ادوار کے لئے مکمل فقہی احکام کا حامل نہ ہوتو کامل دین کیسے ہوسکتا ہے؟

کیا ہم پیغمبرؐ کی یہ حدیث نہیں دیکھتے ''یاایھاالناس واللہ ما من شیء یقربکم من الجنۃ ویباعدکم عن النار الا وقد امرتکم بہ و ما من شیء یقربکم من النار و یباعدکم عن الجنۃ الا وقد نھیتکم عنہ '' یعنی اے لوگوں! ہر وہ چیز جو تم کو بہشت سے نزدیک کرتی ہے اور دوزخ کی آگ سے دور کرتی ہے میں نے تمہیں اس کا حکم دیا ہے اور ہر وہ چیز جو تمہیں جہنم کی آگ سے نزدیک کرتی ہے اور جنت سے دور کرتی ہے میں نے تمہیں اس سے روکا ہے؟ (اصول کافی جلد۲ صفحہ ۷۴ اور بحارالانوار جلد ۷ صفحہ ۹۶)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی ایک اور مشہور حدیث ہے ''ماترک علی شیئاالا کتبہ حتی ارش الخدش ''یعنی حضرت علی علیہ السلام نے اسلام کا کوئی حکم ایسا نہیں چھوڑا جسے آپؑ نے حضورؐ کے حکم سے اور آپؐ کے لکھوانے پر لکھ نہ لیا ہو۔ یہاں تک کہ ایک معمولی سی خراش (کہ جو انسانی بدن پر آتی ہے) کی دیت بھی ۔[۱]

بنابریں ظن وگمان پر مبنی دلائل اور قیاس واستحسان کی ضرورت ہی پیش نہیں آتی ۔

---

[۱] جامع الاحادیث جلد اول صفحہ ۱۸ حدیث ۱۲۷ (اسی کتاب میں اسی سلسلے کی اور بھی روایات مذکور ہیں)

٦٦۔ تقیہ اور اس کا فلسفہ :

ہمارا عقیدہ ہے کہ جب بھی انسان متعصب اور ہٹ دھرم اور غیر معقول افراد کے درمیان اس طرح پھنس جائے کہ ان کے درمیان اپنے عقیدے کا اظہار اس کے لئے جانی یا مالی خطرے کا باعث ہو اور عقیدے کے اظہار کا کوئی خاص فائدہ بھی نہ ہو تو وہاں اس کی یہ ذمہ داری ہے کہ اپنے عقیدے کا اظہار نہ کرے اور اپنی جان نہ گنوائے۔ اس عمل کا نام تقیہ ہے۔ ہم نے یہ بات قرآن مجید کی دو آیتوں اور عقلی دلیل سے اخذ کی ہے۔

قرآن ''مومن آل فرعون'' کے متعلق ارشاد فرماتا ہے: ''وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ صلے ق مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ اِيْمَانَهٗٓ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَ قَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ ط'' یعنی آل فرعون میں سے ایک مومن شخص نے جو اپنا ایمان چھپاتا تھا (موسیٰ کا دفاع کرتے ہوئے) کہا کیا تم اس مرد کو قتل کرنا چاہتے ہو جو یہ کہتا ہے کہ میرا پروردگار خدا ہے؟ حالانکہ وہ تمہارے رب کی طرف سے واضح دلائل لے کر آیا ہے۔ (سورہ مومن آیت ۲۸)

یکتم ایمانه کا جملہ صریح الفاظ میں تقیہ کا مسئلہ بیان کرر ہا ہے کیا یہ درست تھا کہ مومن آل فرعون اپنا ایمان ظاہر کرتے اور اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھتے جبکہ کوئی فائدہ بھی نہ ہوتا؟

صدر اسلام کے بعض مجاہد اور مبارز مومنین جو متعصب مشرکین کے چنگل میں پھنس چکے تھے کو تقیہ کا حکم دیتے ہوئے قرآن یوں فرماتا ہے: ''لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ج وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ط'' یعنی باایمان لوگ مومنین کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا ولی اور دوست نہ بنائیں جو ایسا کرے گا اس کا خدا سے کوئی تعلق نہ ہوگا مگر یہ کہ (تم خطرے کے وقت) ''ان سے تقیہ کرو۔ (سورۃ آل عمران آیت ۲۸)

بنابریں تقیہ یعنی عقیدے کو چھپانا وہاں جائز ہے جہاں انسان کی جان، مال اور عزت کو متعصب اور ہٹ دھرم دشمنوں سے خطرہ ہو اور وہاں عقیدے کے اظہار کا فائدہ بھی کچھ نہ ہو۔ ایسے موقع پر بلاوجہ انسان کو خطرے میں ڈالنا اور افرادی قوت کو ضائع کرنا صحیح اور معقول نہیں ہے۔ بلکہ اسے محفوظ رکھنا چاہئے تا کہ بوقت ضرورت کام آئے۔ اسی لئے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی مشہور حدیث ہے: ''**التقیة ترس المومن**'' یعنی تقیہ مومن کی ڈھال ہے۔[1]

یہاں ترس (ڈھال) کا استعمال اس لطیف نکتے کی طرف اشارہ ہے کہ تقیہ دشمن کے مقابلے میں دفاع کا ایک ذریعہ ہے۔ مشرکین کے مقابلے میں عمار یاسر کے تقیہ کرنے اور پیغمبر اسلامؐ کی طرف سے اس پر ان کی تائید فرمانے کا واقعہ بہت مشہور ہے۔[2]

جنگ کے میدانوں میں دشمن سے اسلحہ اور سپاہیوں کو چھپانا اور جنگی رازوں کو مخفی رکھنا وغیرہ سب کے سب انسانی زندگی میں ایک قسم کا تقیہ ہیں۔ بہرحال جہاں حقیقت کا اظہار کرنا خطرے یا نقصان کا باعث ہو اور اظہار کا کوئی فائدہ بھی نہ ہو وہاں تقیہ کرنا (یعنی چھپانا) ایک عقلی اور شرعی حکم ہے جس پر نہ فقط شیعہ بلکہ دنیا کے تمام مسلمان، بلکہ دنیا کے تمام عقلاء ضرورت کے وقت عمل پیرا ہوتے ہیں۔

اس کے باوجود تعجب خیز بات یہ ہے کہ بعض لوگ تقیہ کو شیعوں اور مکتب اہل بیتؑ، کے ساتھ مختص سمجھتے ہیں اور اسے ان کے خلاف ایک اہم اعتراض کے طور پر پیش کرتے ہیں

---

[1] وسائل، جلد ۱۱ صفحہ ۴۶۱ حدیث ۶ باب ۲۴۔ بعض احادیث میں ''**ترس اللہ فی الارض**'' یعنی زمین میں خدا کی ڈھال کے الفاظ مذکور ہیں۔

[2] بہت سے مفسرین، مورخین اور ارباب حدیث نے اپنی مشہور کتابوں میں یہ حدیث بیان کی ہے۔ واحدی نے اسباب النزول میں اور طبری، قرطبی، زمخشری، فخر رازی، بیضاوی اور نیشاپوری نے اپنی تفسیر کی کتابوں میں (سورہ نحل کی آیت ۱۰۶ میں) اس کا تذکرہ کیا ہے۔

حالانکہ بات بالکل واضح ہے تقیہ کا سرچشمہ قرآن، سنت، نبیؐ کے صحابہؓ کی سیرت اور دنیا کے تمام عقلاء کا طرز عمل ہے۔

٦٧۔ تقیہ کہاں حرام ھے ؟

ہمارا عقیدہ ہے کہ مذکورہ بدگمانیوں کی وجہ شیعہ عقائد سے نا آگاہی یا شیعہ دشمن عناصر سے شیعہ عقائد اخذ کرنے کا عمل ہے۔ ہمارا خیال ہے مذکورہ بالا وضاحت سے بات مکمل طور پر صاف ہوگئی ہوگی۔

البتہ اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ بعض جگہوں پر تقیہ حرام ہے یہ وہاں ہے جہاں تقیہ کرنے سے دین، اسلام اور قرآن کی بنیاد یا اسلامی نظاموں کو خطرہ لاحق ہوجائے ایسی جگہوں پر عقیدے کا اظہار ضروی ہے اگرچہ انسان اس اظہار عقیدے کی وجہ سے جان سے ہی ہاتھ دھو بیٹھے۔

ہمارا عقیدہ ہے کہ عاشورا کے دن کربلا میں امام حسین علیہ السلام نے اسی نظریے پر عمل کیا کیونکہ بنی امیہ کے حکمرانوں نے اسلام کی اساس کو خطرے میں ڈال دیا تھا۔ امام حسین علیہ السلام کے قیام نے ان کے کرتوتوں کا پردہ چاک کردیا اور اسلام کو خطرے سے بچالیا۔

٦٨۔ اسلامی عبادات :

قرآن وسنت نے جن عبادتوں پر زور دیا ہے ہم ان پر عقیدہ رکھتے ہیں اور ان کے پابند ہیں مثلاً نماز پنجگانہ جو خالق اور مخلوق کے درمیان رابطے کی اہم کڑی ہیں۔ اسی طرح رمضان المبارک کے روزے جو ایمان کی تقویت، تزکیہ نفس اور تقوی کا بہترین ذریعہ ہیں اور نفسانی خواہشات کے ساتھ مقابلے کا ہتھیار ہیں۔

ہم صاحب استطاعت افراد پر زندگی میں ایک بار حج خانہ خدا کو واجب سمجھتے ہیں

جوتقوی اختیار کرنے اور باہمی محبت کے بندھنوں کو مضبوط کرنے کا ایک مؤثر ذریعہ ہے نیز مسلمانوں کی عزت کا باعث ہے۔ہم زکوٰۃ المال،خمس،امر بالمعروف،نہی عن المنکر نیز اسلام اور مسلمانوں پر حملہ آور ہونے والوں کے خلاف جہاد کو بھی مسلمہ واجبات میں شمار کرتے ہیں۔

ہمارے اور بعض دوسرے اسلامی فرقوں کے درمیان ان مسائل کی بعض جزیات میں اختلاف ہے بالکل اسی طرح جس طرح اہل سنت کے چار فرقے بھی عبادات اور دوسرے احکام میں باہمی اختلاف رکھتے ہیں۔

٦٩۔دو نمازوں کو ساتھ پڑھنا:

ہمارا عقیدہ ہے کہ نماز ظہر اور عصر یا مغرب اور عشاء کوایک ساتھ پڑھنا جائز ہے (اگر چہ انہیں الگ الگ وقت میں پڑھنا افضل اور بہتر ہے)۔ہمارا عقیدہ ہے کہ نبی کی طرف سے دو نمازوں کو جمع کرنے کی اجازت ان لوگوں کی حالت کے پیش نظر ہے جو مشکلات سے روبرو ہیں۔

صحیح ترمذی میں ابن عباسؓ سے یوں منقول ہے :"**جمع رسول اللهؐ بین ظهر والعصر وبین المغرب والعشاء بالمدینه من غیر خوف ولامطر، قال فقیل لابن عباس ما اراد بذلک ؟ قال اراد ان لا یحرج امته** "یعنی مدینہ میں پیغمبر اکرمؐ نے ظہر اور عصر کی نمازیں اکٹھی پڑھیں نیز مغرب اور عشاء کی نمازیں بھی اکٹھی پڑھیں حالانکہ نہ کوئی خطرہ تھا اور نہ بارش تھی۔ ابن عباسؓ سے دریافت کیا گیا کہ اس کام سے آنحضرتؐ کا کیا مقصد تھا ؟ تو اس نے جواب دیا تا کہ اپنی امت کو مشکل میں نہ ڈالیں۔یعنی جس مقام پر دونوں نمازوں کو الگ الگ پڑھنا زحمت کا باعث ہو وہاں اس اجازت سے فائدہ اٹھایا جائے۔[1]

---

[1] سنن ترمذی جلد 1 صفحہ ۳۵۴ باب ۱۳۸ اور سنن بیہقی جلد ۳ صفحہ ۱۶۷

خاص کر موجودہ دور میں جبکہ معاشرتی زندگی خاص کر کارخانوں اور مصروف صنعتی مراکز میں بڑی پیچیدہ شکل اختیار کر چکی ہے اور پانچ الگ الگ اوقات میں نماز کی پابندی کی شرط کے باعث بعض لوگوں نے نماز کو بالکل ہی چھوڑ دیا ہے پیغمبرؐ نے یہ جو اجازت عطا کی ہے اس سے استفادہ کرتے ہوئے نماز کو زیادہ پابندی سے ادا کیا جا سکتا ہے۔

۷۰۔ خاک پر سجدہ:

ہمارا عقیدہ ہے کہ مٹی یا زمین کے دوسرے اجزاء پر سجدہ کرنا چاہیے یا ان چیزوں پر جو زمین سے اگتی ہوں جیسے درختوں کے پتے اور لکڑی۔ نیز دیگر پودوں پر سوائے ان چیزوں کے جو کھائی جاتی ہیں یا پہننے کے کام آتی ہیں۔

لہذا قالین وغیرہ پر سجدہ کرنا جائز نہیں ہے۔ ہم مٹی پر سجدہ کرنے کو سب چیزوں پر ترجیح دیتے ہیں اسی لیے آسانی کی وجہ سے بہت سے شیعہ سانچے میں ڈھلے ہوئے پاک مٹی کا ایک ٹکڑا اپنے پاس رکھتے ہیں جسے سجدہ گاہ کہتے ہیں اور اس پر سجدہ کرتے ہیں یہ پاک بھی ہے اور مٹی بھی۔

اس سلسلے میں ہماری دلیل نبی اکرمؐ کی یہ مشور حدیث ہے ''**جعلت لی الارض مسجدا وطھورا**'' ہم یہاں لفظ مسجد کو ''سجدہ کی جگہ'' کے معنی میں لیتے ہیں۔ یہ حدیث اکثر کتب صحاح اور دوسری کتابوں میں نقل ہوئی ہے۔[1]

ممکن ہے یہ کہا جائے اس حدیث میں مسجد سے مراد سجدہ کی جگہ نہیں ہے بلکہ اس سے مراد نماز کی جگہ ہے اور یہ ان لوگوں کے عمل کی نفی کرتی ہے جو صرف ایک مخصوص مقام پر

---

[1] بخاری نے اپنی صحیح میں جابر بن عبداللہ انصاریؓ سے باب التیمم (جلد ا صفحہ ۹۱) میں، نسائی نے اپنی صحیح میں جابر بن عبداللہؓ سے باب التیمم بالصعید میں اسے ذکر کیا ہے۔ مسند احمد میں یہ حدیث ابن عباسؓ سے منقول ہے۔ (دیکھئے جلد ا صفحہ ۳۰۱) شیعہ کتب میں بھی پیغمبر اکرمؐ سے یہ روایت مختلف اسناد کے ساتھ بیان کی گئی ہے

نماز پڑھتے ہیں لیکن اس بات کے پیش نظر کہ یہاں طھور یعنی تیمّم کی مٹی کی بات آئی ہے۔ یہ واضح ہوتا ہے کہ یہاں اس (مسجد) سے مراد سجدہ کی جگہ ہے یعنی زمین کی مٹی طھور بھی ہے اور سجدہ کرنے کی جگہ بھی۔

اس کے علاوہ آئمہ اہل بیتؑ سے بہت سی روایات منقول ہیں جن میں مٹی اور پتھر وغیرہ کو سجدہ کی جگہ قرار دیا گیا ہے۔

۷۱۔ انبیاءؑ اور آئمہؑ کے مزاروں کی زیارت:

ہمارا عقیدہ ہے کہ پیغمبر اکرمؐ، آئمہ اہل بیتؑ، عظیم علماء، دانشمندوں اور راہ حق کے شہیدوں کے مزارات کی زیارت سنت موکدہ ہے۔

اہل سنت کی کتابوں میں نبی اکرمؐ کے روضہ مبارک کی زیارت کرنے کے بارے میں بے شمار روایات موجود ہیں۔ شیعہ کتابوں میں بھی یہ بات مذکور ہے۔ اگر ان روایتوں کو اکٹھا کر دیا جائے تو ایک الگ کتاب بن سکتی ہے۔[۱] ہر دور میں تمام بڑے علماء اور لوگوں کے تمام طبقوں نے اس کو اہمیت دی ہے کتابیں ان لوگوں کے تذکروں سے بھری پڑی ہیں جو رسولؐ اور دوسرے بزرگوں کے مزاروں کی زیارت کے لیے جاتے تھے[۲] بہر حال یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس مسئلہ پر تمام مسلمانوں کا اجماع اور اتفاق ہے۔

یہ بات واضح ہے کہ زیارت اور عبادت کے درمیان فرق کو نہیں بھولنا چاہیے عبادت اور پرستش خدا کے لیے مخصوص ہے جبکہ زیارت کا مقصد بزرگان دین کا احترام، ان

---

[۱] ان روایات سے آگاہی حاصل کرنے اسی طرح زیارت کے سلسلے میں بزرگوں کے کلمات اور حالات دیکھنے کے لیے الغدیر، جلد ۵ صفحہ ۹۳ تا ۲۰۷ کی طرف رجوع کریں۔

[۲] ان روایات سے آگاہی حاصل کریں نیز زیارت کے بارے میں بزرگوں کے اقوال اور حالات کے مطالعے کے لیے سابقہ ماخذ کی طرف رجوع کریں۔

کی یاد کو زندہ رکھنا اور خدا کے حضور ان سے شفاعت طلب کرنا ہے۔ یہاں تک کہ بعض روایات کے مطابق خود آنحضرتؐ اہل قبور کی زیارت کے لیے جنت البقیع جاتے اور ان کے لیے رحمت اور مغفرت کی دعا فرماتے تھے۔[1]

بنا بریں اسلامی فقہ کے نقطہ نظر سے اس کام کے جواز میں کسی شخص کو شک نہیں کرنا چاہیے۔

۷۲۔ مراسم عزاداری کا فلسفہ:

ہمارا عقیدہ ہے کہ شہدائے اسلام بالخصوص شہیدان کربلا کی عزاداری اور ان کا سوگ منانے کا مقصد ان کی یاد کو زندہ رکھنا اور اسلام کی راہ میں ان کی قربانیوں کا پرچار ہے اس لیے ہم مختلف دنوں بالخصوص عاشور کے آیام (محرم کے پہلے دس دن) میں عزاداری مناتے ہیں جو رسول کی بیٹی جناب فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا اور حضرت علی علیہ السلام کے لخت جگر، بہشت کے جوانوں کے سردار [2] امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے آیام ہیں۔ ہم ان کی زندگی اور ان کے کارناموں کا ذکر کرتے ہیں ان کے اہداف پر بحث کرتے ہیں اور ان کی پاک روحوں پر درود و سلام بھیجتے ہیں۔

ہمارا عقیدہ ہے کہ بنی امیہ ایک بڑی خطرناک حکومت کی بنیاد رکھی تھی۔ نبی اکرمؐ کی بہت سی سنتوں کو انہوں نے تبدیل کر دیا تھا اور وہ اسلامی اقتدار کے خاتمے پر کمر بستہ ہو گئے تھے۔

---

[1] یہ روایات صحیح مسلم، ابوداؤد، نسائی، مسند احمد، صحیح ترمذی اور سنن بیہقی میں دیکھی جاسکتی ہے۔

[2] ''الحسن والحسین سیدا شباب اھل الجنۃ'' (حسن و حسین علیہم السلام جنت کے جوانوں کے سردار ہیں) یہ حدیث صحیح ترمذی میں اور ابوسعید خدری اور حذیفہ (ج ۲ ص ۳۰۶ و ۳۰۷) سے منقول ہے۔ نیز صحیح ابن ماجہ باب فضائل اصحاب رسول اللہ، مستدرک الصحیحین، حلیۃ الاولیاء، تاریخ بغداد، اصابۃ (ابن حجر) کنز العمال، ذخائر العقبی اور دوسری بہت سی کتابوں میں مذکور ہے۔

یزید ایک فاجر، خودسر اور اور اسلام سے بیگانہ شخص تھا لیکن بد قسمتی سے اسلامی خلافت پر قابض تھا۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے سن ۶۱ ہجری میں اس کے خلاف قیام کیا اگر چہ وہ اور ان کے تمام ساتھی عراق میں کربلا نامی سرزمین پر شہید کر دیے گئے اور ان کی خواتین قیدی بنالی گئیں لیکن ان کے خون نے اس دور کے تمام مسلمانوں میں ایک حیرت انگیز جذبہ اور ولولہ پیدا کر دیا۔ بنی امیہ کے خلاف یکے بعد دیگرے بغاوتیں ہونے لگیں ان بغاوتوں نے بنی امیہ کے ظلم وستم کے ایوانوں کو ہلا کر رکھ دیا۔ آخر کار ان کا ناپاک وجود ختم ہوگیا۔ قابل توجہ بات یہ ہے کہ واقعہ عاشورہ کے بعد بنی امیہ کی حکومت کے خلاف جتنی بغاوتیں ہوئیں سب کا عنوان ''**الرضا لال محمد اور یالثارات الحسن**'' کے نعرے تھے یہاں تک کہ ان میں سے بعض نعرے تو بنی عباس کے ابتدائی دور حکومت میں بھی بلند ہوتے رہے۔[1]

حضرت امام حسین علیہ السلام کا خونچکاں قیام آج ہم شیعوں کے لیے ہر قسم کے استبدادیت یا سینہ زوری اور ظلم وستم کا مقابلہ کرنے کے لیے ایک نمونہ عمل اور ایک لائحہ عمل کی صورت اختیار کر گیا ہے۔ ''**هيهات منا الذلة**'' (ہم ہرگز ذلت قبول نہیں کرتے) اور ''**ان الحياة عقيدة و جهاد**'' (زندگی ایمان اور جہاد سے عبارت ہے) کے نعروں نے جو کربلا کی خونین تحریک کا عطیہ ہیں ہماری ہمیشہ مدد کی ہے تا کہ ہم ظالم اور جابر حکومتوں کے

---

[1] ابومسلم خراسانی جس نے عباسی حکومت کا خاتمہ کیا، نے مسلمانوں کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لیے **الرضا لال محمد** کا نعرہ لگایا۔ کامل ابن اثیر جلد ۵ صفحہ ۳۷۲

توابین کا قیام بھی یا ''**لثارات الحسین**ؑ'' کے نعرے سے شروع ہوا۔ الکامل، جلد ۴ صفحہ ۱۷۵

مختار بن ابوعبید ثقفی کا قیام بھی اسی نعرہ کے ساتھ ہوا۔ کامل ابن اثیر جلد ۴ صفحہ ۲۸۸

بنی عباس کے خلاف جن لوگوں نے قیام کیا ان میں سے ایک حسین بن علی شہید فخ بھی ہیں۔ انہوں نے اپنا مقصد ایک جملے میں اس طرح بیان کیا ''**وادعوكم الرضا من آل محمد**''، یعنی میں تمہیں آل محمدؐ کی خوشنودی حاصل کرنے کی دعوت دیتا ہوں۔ (مقاتل الطالبین، صفحہ ۲۹۹ اور تاریخ طبری جلد ۸ صفحہ ۱۹۴)

خلاف اٹھ کھڑے ہوں اور سید الشہداء امام حسین علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کی پیروی کرتے ہوئے ظالم کے شر کو دفع کریں (انقلاب اسلامی، جموریہ ایران میں یہ نعرے ہر طرف دکھائی دیتے ہیں)

مختصر یہ کہ شہدائے اسلام خاص کر شہدائے کربلا کی یاد تازہ کرنے سے ہمارے اندر عقیدے اور ایمان کی راہ میں شہادت، ایثار، شجاعت اور فدا کاری کا جزبہ ہمیشہ بیدار رہتا ہے۔ یہ ہمیں عزت سے زندہ رہنے اور ظلم کے آگے سر نہ جھکانے کا درس دیتا ہے۔ یہ ہے ان واقعات کو زندہ رکھنے اور ہر سال عزاداری کا سلسلہ برقرار رکھنے کا فلسفہ۔

ممکن ہے کہ بعض لوگوں کو معلوم نہ ہو کہ ہم عزاداری کے مراسل میں کیا کرتے ہیں اور وہ اسے ایک ایسا تاریخی واقعہ سمجھیں جس پر عرصے سے فراموشی کا گرد وغبار پڑا ہوا ہے لیکن ہم خود جانتے ہیں کہ ان واقعات کی یاد زندہ کرنے سے ہمارے کل، آج اور آئندہ کی تاریخ پر کیا اثرات مرتب ہوئے ہیں اور ہوں گے۔

غزوہ احد کے بعد سید الشہداء حضرت امیر حمزہؑ پر پیغمبر اسلامؐ اور مسلمانوں کے سوگ منانے کا واقعہ تاریخ کی سب مشہور کتابوں میں درج ہے۔ رسول اکرمؐ انصار کے ایک گھر کے پاس سے گزر رہے تھے۔ آپؐ نے گریہ اور نوحہ کی آواز سنی۔ آپؐ کی آنکھیں بھی برس پڑیں اور چہرہ اقدس سے آنسو بہنے لگے۔ آپؐ نے فرمایا: لیکن حمزہ پر کوئی رونے والا نہیں ہے سعد بن معاذ نے جب یہ بات سنی تو وہ قبیلہ بنی عبدالاشہل کے بعض لوگوں کے پاس گئے اور ان کی عورتوں کو حکم دیا: آنحضرتؐ کے چچا حضرت حمزہؑ کے گھر جاؤ اور سید الشہداء حمزہؑ کا سوگ مناؤ۔[۱]

واضح ہے کہ یہ کام حضرت حمزہؑ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ باقی تمام شہداء کے

---

[۱] کامل ابن اثیر جلد۲ صفحہ ۱۶۳ وسیرہ ابن ہشام جلد۳ صفحہ ۱۰۳

معاملے میں بھی اس پر عمل کرنا چاہیے۔ ہمیں چاہیے کہ موجودہ اور آئندہ نسلوں کے لیے ان کی یاد زندہ رکھیں اور اس طریقے سے مسلمانوں کی رگوں میں نیا خون دوڑاتے رہیں اتفاقاً آج جبکہ میں یہ سطور تحریر کر رہا ہوں عاشورہ کا دن ہے ۱۰ محرم الحرام ۱۴۱۲ ہجری۔

آج پورے عالم تشیع میں سچ مچ ایک عظیم ولولہ معجزن ہے جوان، نوجوان، اور بوڑھے سب ہی سیاہ کپڑے پہنے ہوئے حضرت امام حسین علیہ السلام اور شہدائے کربلا کا باہم سوگ منا رہے ہیں۔ ان سب کے دلوں اور ذہنوں میں ایک ایسا انقلاب برپا ہے کہ اگر انہیں اسلام کے دشمنوں سے مقابلہ کرنے کے لیے کہا جائے تو سب اسلحہ اٹھا کر میدان میں اتر جائیں گے اور کسی قسم کی قربانی وجان نثاری میں دریغ نہیں کریں گے گویا سب کی رگوں میں شہادت کا خون دوڑ رہا ہے اور اس وقت اور اس گھڑی حضرت امام حسین علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو اسلام کی قربان گاہ کربلا میں اپنے سامنے دیکھ رہے ہیں۔

ان پرشکوہ مراسم میں جو ولولہ انگیز اشعار پڑھے جاتے ہیں وہ استعمار اور استکبار کے خلاف دندان شکن نعروں سے بھرے ہوئے ہیں۔ یہ ظلم کے سامنے نہ جھکنے اور ذلت کی زندگی پر عزت کی موت کو ترجیح دینے کا اعلان کر رہے ہیں۔

ہمارا عقیدہ ہے کہ یہ ایک عظیم معنوی سرمایا ہے جس کی حفاظت کرنی چاہیے اور اسلام، ایمان اور تقوی کی بقا کے لیے اس سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔

۷۳۔ متعہ:

ہمارا عقیدہ ہے کہ وقتی شادی ایک شرعی کام ہے جسے اسلامی فقہ میں ''متعہ'' کہتے ہیں۔ شادی دو قسم کی ہے ایک تو دائمی شادی جس میں وقت معین نہیں ہوتا اور دوسری متعہ جس کی مدت طرفین کے توافق سے معین ہوتی ہے۔

یہ شادی دائمی شادی کے ساتھ بہت سے مسائل میں مشابہت رکھتی ہے مثلاً حق مہر،

عورت کا ہر مانع سے خالی ہونا وغیرہ، نیز شادی سے پیدا ہونے والے بچے انہی احکام کے حامل ہیں جو دائمی شادی سے پیدا ہونے والے بچے رکھتے ہیں ۔ جدائی کے بعد عدت پوری کرنے کا مسئلہ مشترک ہے ۔ یہ سب چیزیں ہمارے نزدیک مسلم ہیں ۔ دوسرے لفظوں میں متعہ اپنی تمام خصوصیات کے ساتھ ایک قسم کی شادی ہے ۔

البتہ دائمی نکاح اور متعہ میں کچھ فرق بھی ہے اور وہ یہ کہ متعہ میں عورت کا نفقہ شوہر پر واجب نہیں ہے اور میاں بیوی ایک دوسرے کی میراث کے حقدار نہیں ہوں گے ۔ (لیکن ان کے بچے والدین اور ایک دوسرے کی میراث کے حقدار ہوں گے)

بہرحال ہم نے یہ حکم قرآن مجید سے لیا ہے جو فرماتا ہے: ''فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً ط''یعنی جن عورتوں سے تم متعہ کرتے ہو ان کا حق مہر تمہیں ادا کرنا ہوگا (سورۂ نساء آیت ۲۴) بہت سے مشہور محدثین اور عظیم مفسرین نے تصریح کی ہے کہ یہ آیت متعہ کے متعلق ہے ۔

تفسیر طبری میں اس آیت کے ذیل میں متعہ سے متعلق بہت سی احادیث بیان کی گئی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت متعہ کے بارے میں ہے اور پیغمبر اکرمؐ کے بہت سے صحابیوں نے اس پر گواہی دی ہے ۔ (تفسیر طبری جلد ۵ صفحہ ۹)

تفسیر الدر المنثور اور سنن بیہقی میں اس سلسلے میں بہت سی روایات نقل کی گئی ہیں ۔ [1]

صحیح بخاری مسند احمد، صحیح مسلم اور بہت سی دوسری کتابوں میں ایسی احادیث موجود ہیں جو نبی اکرمؐ کے دور میں متعہ کی موجودگی پر دلیل ہیں اگرچہ اس کی مخالف روایات بھی موجود ہیں ۔ [2]

---

[1] الدر المنثور جلد ۲ صفحہ ۱۴۰ اور سنن بیہقی جلد ۷ صفحہ ۲۰۶

[2] مسند احمد جلد ۴ صفحہ ۴۳۶ صحیح بخاری جلد ۷ صفحہ ۱۶ اور، صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۰۲۲ (باب نکاح المتعہ)

بعض سنی فقہا قائل ہیں کہ نبی اکرمؐ کے دور میں نکاح متعہ رائج تھا۔اس کے بعد یہ حکم منسوخ ہوگیا۔جبکہ بعض یہ کہتے ہیں کہ یہ حکم آنحضرتؐ کی زندگی کے آخر تک باقی تھا اور حضرت عمرؓ نے یہ حکم منسوخ کیا۔حضرت عمرؓ کا قول: ''متعتان کانتا علی عهد رسول الله و انا سحر مهما و معاقب علیها : متعته النساء و متعته الحج'' یعنی پیغمبر اکرمؐ کے دور میں دو متعے جائز تھے اور میں انہیں حرام قرار دیتا ہوں اور ان پر سزا دوں گا ان میں سے ایک عورتوں سے متعہ اور دوسرا متعۃا لحج (حج کی ایک خاص قسم) ہے [1]

اس میں شک نہیں ہے کہ بہت سے دوسرے احکام کی طرح اس اسلامی حکم میں بھی اہل سنت کے راویوں کے درمیان اختلاف ہے۔بعض اس بات کے قائل ہیں کہ یہ نبی اکرمؐ کے دور میں نسخ ہو چکا ہے۔بعض خلیفہ دوم کے دور میں ان کے منسوخ کے قائل ہیں اور بعض مکمل طور پر اس کا انکار کرتے ہیں۔فقہی مسائل میں اس طرح کا اختلاف موجود ہے لیکن شیعہ فقہاء میں اس کے جائز ہونے پر اتفاق رائے ہے۔وہ کہتے ہیں کہ یہ آنحضرتؐ کے دور میں منسوخ نہیں ہوا اور آنحضرتؐ کی رحلت کے بعد نسخ ناممکن ہے۔

بہرحال میرا عقیدہ ہے کہ اگر متعہ سے غلط استفادہ نہ کیا جائے تو یہ ان جوانوں کے سلسلے میں بعض معاشرتی ضروریات کو پورا کرسکتا ہے جو دائمی شادی نہیں کرسکتے یا جو تجارتی،اقتصادی،تعلیمی یا دیگر وجوہات کے باعث کچھ عرصے کے لیے اپنے گھر والوں سے دور رہتے ہیں۔متعہ کی مخالفت اس طرح کے افراد میں برائی کا راستہ کھول دے گی۔خاص

---

[1] یہ حدیث اسی عبارت یا اس سے ملتی جلتی عبارت کے ساتھ سنن بیہقی ج ۷ ص ۲۰۶ اور دوسری بہت سی کتابوں میں آئی ہے الغدیر کے مصنف نے کتب صحاح اور مسند سے ۲۵ا احادیث نقل کی ہیں جو یہ بتاتی ہیں کہ اسلامی شریعت میں متعہ حلال ہے اور پیغمبر اکرمؐ خلیفہ اول اور حضرت عمر کے دور کے کچھ حصے میں اس پر عمل ہوتا رہا ہے۔پھر خلیفہ دوم نے اپنی عمر کے آخری حصے میں اس پر پابندی لگادی۔(الغدیر ج ۳ص ۳۳۲)

کر ہمارے دور میں جس میں مختلف اسباب کی وجہ سے دائمی نکاح کرنے کی عمر بڑھ گئی اور دوسری طرف سے جنسی شہوت کو ابھارنے والے اسباب بہت ہو چکے ہیں۔ اگر اس راستے پر پابندی لگا دی جائے تو یقینی طور پر برائی کا راستہ کھل جائے گا۔

ہم یہ بات دوبارہ دہراتے ہیں کہ ہم اس اسلامی حکم سے ہر قسم کا غلط استفادہ کرنے، اسے شہوت پرست افراد کے ہاتھوں کھلونا قرار دینے اور عورتوں کو بدکاری کی طرف دھکیلنے کے مخالف ہیں۔ لیکن کسی قانون سے بعض شہوت پرست افراد کے غلط فائدہ اٹھانے کے بہانے خود اس قانون پر پابندی نہیں لگنی چاہئے بلکہ اس کے غلط استعمال پر پابندی لگنی چاہئے۔

۷۴۔ تاریخ تشیع:

ہمارا عقیدہ ہے کہ تشیع کی بنیاد پیغمبرؐ کے دور میں آنحضرتؐ کی احادیث کے باعث پڑی۔ اس مطلب پر ہمارے بڑے واضح ثبوت موجود ہیں۔

بہت سے مفسرین نے اس آیت کریمہ: **''اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لا اُولٰٓئِکَ هُمْ خَیْرُ الْبَرِیَّةِo''** یعنی جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال بجا لائے وہ (خدا کی) بہترین مخلوق ہیں (سورۃ بینہ آیت ۷) کے ذیل میں پیغمبر اکرمؐ کی یہ حدیث نقل کی ہے کہ اس سے مراد حضرت علی علیہ السلام اور ان کے شیعہ ہیں۔

مشہور مفسر سیوطی نے الدر المنثور میں ابن عساکرؒ سے اور اس نے جابر بن عبداللہؓ سے روایت کی ہے کہ ہم پیغمبر اکرمؐ کی خدمت میں بیٹھے ہوتے تھے کہ حضرت علی علیہ السلام آئے۔ جب آنحضرتؐ کی نگاہ ان پر پڑی تو آپؐ نے فرمایا۔ **''والذی نفسی بیدہ ان ھذا و شیعتہ لھم الفائزون یوم القیامۃ''** یعنی اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے بے شک یہ اور اس کے شیعہ ہی قیامت کے دن کامیاب ہیں۔

اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی۔ ''اِنَّ الَّـذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لا اُولٰٓئِکَ هُـمْ خَیْرُ الْبَرِیَّةِ ٥'' اس کے بعد جب حضرت علی علیہ السلام اصحابؓ کی محفل میں آتے تو وہ یہ کہتے تھے ''جاء خیر البریة '' (خدا کی مخلوق کا سب سے بہترین فرد آ گیا)۔(الدر المنثور ج٦ ص٣٧٩)

ابن عباسؓ، ابو برزہ، ابن مردویہ اور عطیہ عوفی سے بھی یہی بات (مختصر سے فرق کے ساتھ) منقول ہے۔(مزید معلومات کے لیے پیام قرآن جلد ۹ صفحہ ۲۵۹ اور مابعد کی طرف رجوع کریں)۔

یوں ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام سے محبت رکھنے والوں کے لیے لفظ ''شیعہ'' کا انتخاب نبی اکرمؐ کے دور میں ہی ہو گیا تھا۔ یہ نام انہیں نبی اکرمؐ نے عطا کیا ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ عصر خلفاء یا عصر صفویہ وغیرہ میں انہیں یہ نام ملا ہو۔

اگرچہ ہم دوسرے اسلامی فرقوں کا احترام کرتے ہیں اور ان کے ساتھ ایک ہی صف میں کھڑے ہو کر نماز جماعت کے ساتھ ادا کرتے ہیں اور ایک ہی جگہ پر ایک ہی وقت میں حج ادا کرتے ہیں اور اسلام کے مشترکہ اہداف کے لیے تعاون کرتے ہیں لیکن اس کے باوجود ہمارا عقیدہ ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کے ماننے والے بعض خصوصیات کے حامل ہیں ان پر نبی اکرمؐ کی خاص توجہ تھی اور نظر کرم تھا۔ اس لیے ہم نے اس مکتب کی پیروی اختیار کی ہے۔

شیعوں کے بعض مخالفین اس بات کی کوشش کرتے ہیں کہ مذہب شیعہ اور عبداللہ بن سبا کے درمیان رابطے کی کڑیاں ملائیں۔ وہ ہمیشہ یہ بات دہراتے ہیں کہ شیعہ عبداللہ بن سبا کے پیروکار ہیں جو حقیقت میں یہودی تھا اور بعد میں اسلام لایا تھا یہ بات بہت ہی عجیب ہے کیونکہ شیعوں کی تمام کتابوں کا جائزہ لینے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اس مذہب کے

ماننے والے افراد اس شخص سے ذرہ برابر لگاؤ نہیں رکھتے ۔ اس کے برعکس شیعوں کی تمام رجالی کتب میں عبداللہ بن سبا کو ایک گمراہ اور منحرف شخص قرار دیا گیا ہے۔ ہماری بعض روایات کے مطابق حضرت علی علیہ السلام نے اس کے مرتد ہونے کی وجہ سے اس کے قتل کا حکم جاری کردیا تھا۔ [1]

علاوہ ازیں تاریخی حوالے سے عبداللہ بن سبا کا وجود ہی مشکوک ہے ۔ بعض محققین کا یہ خیال ہے کہ عبداللہ بن سبا ایک فرضی اور افسانوی شخصیت ہے اور اس نام کا شخص حقیقت میں موجود نہیں تھا۔ اگر چہ رسد باین کہ وہ مذہب شیعہ کا بانی ہو۔ [2] بالفرض اگر ہم اس کو فرضی انسان نہ بھی سمجھیں تب بھی ہماری نظر میں وہ ایک گمراہ اور منحرف شخص تھا۔

۷۵ ۔ شیعیت کے مراکز:

یہ نکتہ اہمیت کا حامل ہے کہ شیعوں کا مرکز ہمیشہ ایران نہیں رہا بلکہ اسلام کی ابتدائی صدیوں میں ہی اس کے متعدد مراکز تھے جن میں کوفہ، یمن بلکہ خود مدینہ بھی شامل ہیں۔ شام میں بنی امیہ کے زہریلے پروپیگنڈے کے باوجود بھی شیعوں کے بہت سے مراکز موجود تھے اگر چہ ان کی وسعت عراق میں موجود شیعہ مراکز کے برابر نہ تھی۔

مصر کی وسیع سرزمین میں بھی ہمیشہ شیعوں کی مختلف جماعتیں آتیں رہتیں ہیں ۔ یہاں تک کہ فاطمی خلفاء کے دور میں تو مصر کی حکومت بھی شیعوں کے ہاتھ میں تھی۔ [3]

---

[1] ''**تنقیح المقال فی علم الرجال**'' (عبداللہ بن سبا کے ذکر میں) اور علم رجال میں شیعوں کی دیگر مشہور و معروف کتب کی طرف رجوع کریں۔

[2] کتاب عبداللہ بن سبا، مصنفہ علامہ مرتضی عسکری۔

[3] بنی امیہ کے دور میں شام کے شیعہ ہولناک دباؤ کا شکار تھے۔ بنی عباس کے دور میں انھیں آرام نصیب نہیں ہوا۔ یہاں تک کہ ان میں سے بہت سے لوگ بنی امیہ اور بنی عباس کے زندانوں میں چل بسے۔ کچھ لوگ مشرق کی طرف چلے گئے اور بعض مغرب کی طرف۔ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

اب بھی دنیا کے مختلف ملکوں میں شیعہ مسلمان موجود ہیں مثلاً سعودی عرب کے مشرقی علاقے میں شیعوں کی ایک بڑی تعداد موجود ہے اور دیگر اسلامی فرقوں سے ان کے اچھے تعلقات ہیں۔اگر چہ اسلام کے دشمنوں کی ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ شیعہ مسلمانوں اور دوسرے مسلمانوں کے درمیان اختلاف اور جھگڑے کی آگ بھڑکائیں اور دونوں کو کمزور کرتے چلے جائیں۔بالخصوص آج جبکہ اسلام ،مادیت کے علمبردار مشرقی ومغربی طاقتوں کے مقابلے میں عالمگیر طاقت کے طور پر ابھر رہا ہے اور دنیا کے لوگوں کو جو مادی تہذیبوں سے مایوس ہو گئے ہیں اور اپنی طرف متوجہ کر رہا ہے۔اسلام کے دشمنوں کی امیدوں کا سب سے بڑا سہارا یہ ہے کہ مسلمانوں کی طاقت کمزور کرنے اور دنیا میں اسلام کے تیزی سے بڑھتے ہوئے اثرات کو روکنے کے لیے مذہبی اختلاف پھیلائیں اور مسلمانوں کو آپس میں الجھا دیں۔بے شک اگر تمام اسلامی فرقوں کے ماننے والے بیدار اور آگاہ رہیں تو اس خطرناک سازش کا خاتمہ کر سکتے ہیں۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ اہل سنت کی طرح شیعوں کے بھی متعدد فرقے ہیں۔لیکن

ادریس بن عبداللہ بن حسن مصر چلے گئے اور وہاں سے مراکش چلے گئے۔مراکش کے شیعوں کی مدد سے انہوں نے ادریسی سلسلہ حکومت کی بنیاد رکھی جو دوسری صدی کے آخر سے لیکر چوتھی صدی کے آخر تک قائم رہی اور مصر میں شیعوں کی ایک اور حکومت بنی۔یہ لوگ اپنے آپ کو امام حسین علیہ السلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کی اولاد کہتے تھے۔مصر کے لوگوں میں ایک شیعی حکومت کی تشکیل کیلئے آمادگی پا کر انہوں نے یہ کام کیا۔چوتھی صدی ہجری سے باقاعدہ طور پر یہ حکومت تشکیل پائی انہوں نے شہر ''قاہرہ'' کی بنیاد رکھی۔فاطمی خلفاء کی کل تعداد چودہ ہے۔ان میں سے دس خلفاء کا مرکز حکومت مصر تھا۔تقریباً تین صدیوں تک انہوں نے مصر اور افریقہ کے دوسرے علاقوں پر حکومت کی۔مسجد جامع الازھر اور الازھر یونیورسٹی انہوں نے بنائی۔فاطمیوں کا نام فاطمہ زھرا سے ماخوذ ہے۔

(دیکھئے دائرۃ المعارف دھخدا، دائرۃ المعارف فرید وجدی المنجد فی الاعلام، لفظ ''فطم'' و ''زھر'')۔

سب سے مشہور و معروف شیعہ اثنا عشری ہیں جن کی تعداد شیعیان جہان میں سب سے زیادہ ہیں۔ اگرچہ شیعوں کی صحیح تعداد اور دنیا کے مسلمانوں میں ان کا تناسب واضح نہیں ہے لیکن کچھ اعداد و شمار کے مطابق ان کی تعداد بیس کروڑ سے لے کر تیس کروڑ کے لگ بھگ ہے جو دنیا کی مسلم آبادی کا تقریبا چوتھا حصہ ہے۔

۷۶۔میراث اھل بیتؑ:

اس مکتب فکر کے ماننے والوں نے آئمہ اہل بیتؑ کے ذریعے پیغمبر اکرمؐ کی بہت سی احادیث نقل کی ہیں نیز حضرت علی علیہ السلام اور دوسرے اماموں سے بھی بہت زیادہ روایات نقل کی ہیں جو آج شیعی تعلیمات اور فقہ کے بنیادی مآخذ میں سے ایک ماخذ ہیں۔ ان احادیث پر مشتمل کتابوں میں چار کتابیں مشہور ہیں:

۱۔اصول کافی ۲۔من لایحضرہ الفقیہ ۳۔تہذیب ۴۔استبصار

لیکن اس بات کو دہرانا ضروری ہے کہ ان مشہور مآخذ یا دوسرے مآخذ میں کسی حدیث کی موجودگی کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ حدیث اپنی جگہ معتبر ہے بلکہ ہر حدیث کا ایک سلسلہ سند ہے۔ سند میں مذکور ہر راوی کا جائزہ کتب رجال کی روشنی میں لیا جاتا ہے۔ اگر سند کے تمام اشخاص قابل اعتماد ثابت ہوں تو اس وقت وہ حدیث ایک معتبر حدیث کی حیثیت سے پہچانی جائے گی۔ اگر ایسا نہ ہوا تو وہ حدیث مشکوک یا ضعیف کہلائے گی۔ یہ کام صرف علمائے حدیث اور رجال کے بس کی بات ہے۔

اس سے یہ بات بخوبی واضح ہوجاتی ہے کہ کتب شیعہ میں احادیث کی جمع آوری کا طریقہ کار اہل سنت کے معروف مآخذ سے مختلف ہے۔ کیونکہ مشہور کتب صحاح خاص کر صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ان کے مولفین کی روش یہ رہی ہے کہ وہ ایسی احادیث جمع کریں جو ان کے نزدیک صحیح اور معتبر ہوں۔ اسی وجہ سے اہل سنت کے عقائد تک رسائی کے لئے ان میں مذکور احادیث پر

استناد کیا جاسکتا ہے۔ [1] جبکہ شیعہ محدثین کا موقف یہ رہا ہے کہ اہل بیتؑ سے منسوب تمام احادیث اکٹھی کردی جائیں پھر صحیح اور غیر صحیح احادیث کی پہچان کا کام علم رجال کے سپرد کردیا جائے۔ غور کیجئے۔

۷۷۔ دو عظیم کتابیں :

شیعوں کے اہم مآخذ (جوان کے عظیم ورثے کا ایک حصہ محسوب ہوتے ہیں) میں سے ایک نہج البلاغہ ہے جس میں تقریباً ایک ہزار سال پہلے شریف رضی مرحوم نے تین حصوں میں حضرت علی علیہ السلام کے خطبات، خطوط اور مختصر فرمودات جمع کیے ہیں۔ اس کتاب کے مضامین اس قدر بلند اور الفاظ اتنے خوبصورت ہیں کہ کسی بھی مکتب فکر کا پیروکار جب اس کتاب کا مطالعہ کرتا ہے تو اس کے بلند مفاہیم سے متاثر ہوجاتا ہے۔ اے کاش نہ صرف مسلمان بلکہ غیر مسلم بھی اس سے آشنا ہوتے تاکہ وہ توحید، مبدا اور معاد کے علاوہ اخلاقی وسیاسی اور معاشرتی مسائل کے بارے میں اسلام کی عظیم تعلیمات سے آگاہ ہوتے

ان عظیم ورثوں میں ایک اور عظیم ورثہ صحیفہ سجادیہ ہے جو بہترین، فصیح ترین اور زیبا ترین دعاؤں کا ایسا مجموعہ ہے جو بڑے عمیق اور بلند معانی پر مشتمل ہے۔ حقیقت میں یہ کتاب نہج البلاغہ والا کردار ایک دوسرے انداز میں انجام دے رہی ہے۔ اس کے ایک ایک فقرے میں انسان کے لئے ایک نیا سبق پوشیدہ ہے۔ حقیقت میں یہ کتاب خدا کے حضور ہر انسان کو دعا اور مناجات کرنے کا سلیقہ سکھاتی ہے اور انسان کی روح اور دل کو نورانیت اور پاکیزگی عطا کرتی ہے۔

جیسا کہ اس کتاب کے نام سے واضح ہے یہ کتاب شیعوں کے چوتھے امام حضرت علی ابن الحسین علیہما السلام جن کا لقب سجاد ہے کی دعاؤں پر مشتمل ہے۔ جب بھی ہم

[1] مقدمہ صحیح مسلم اور فتح الباری فی شرح صحیح البخاری کی طرف رجوع کریں۔

اپنے اندر دعا کی روح، خدا کی طرف زیادہ توجہ اور اس کی ذات پاک سے عشق پیدا کرنا چاہتے ہیں تو یہ دعائیں پڑھتے ہیں اور اس نوخیز پودے کی طرح جو بہار کے بابرکت بادلوں سے سیراب ہوتا ہے اس کتاب سے سیراب ہوتے ہیں۔

شیعہ احادیث جن کی تعداد دسیوں ہزار ہے کا بیشتر حصہ پانچویں اور چھٹے امام یعنی حضرت محمد بن علی الباقر علیہما السلام اور حضرت جعفر بن محمد الصادق علیہما السلام سے مروی ہیں۔ بہت سی احادیث آٹھویں امام حضرت علی بن موسی الرضا علیہما السلام سے بھی مروی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان تین عظیم ہستیوں کو زمان و مکان کے حوالے سے ایسا ماحول ملا جس میں ان پر دشمنوں اور اموی و عباسی حکمرانوں کا دباؤ کم تھا۔ اس وجہ سے یہ ہستیاں رسول اکرمؐ کی بہت ساری احادیث جو ان تک اپنے آباؤ اجداد کے ذریعے پہنچی تھیں بیان کرنے میں کامیاب ہوگئیں۔ یہ احادیث اسلامی فقہ کے تمام ابواب سے متعلق تھیں۔ مذہب شیعہ کو مذہب جعفری کہنے کی وجہ بھی یہی ہے کہ اس کی اکثر روایات چھٹے امام حضرت جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہیں۔ امام صادق علیہ السلام کے دور میں بنی امیہ کی حکومت کمزور ہو چکی تھیں اور بنی عباس کو ہنوز لوگوں پر دباؤ ڈالنے کی طاقت حاصل نہیں ہوئی تھی۔

ہماری کتابوں کی رو سے مشہور ہے کہ اس امام نے حدیث، معارف اور فقہ کے میدانوں میں چار ہزار شاگردوں کو تربیت دی۔ حنفی مذہب کے مشہور امام ابوحنیفہؒ نے ایک مختصر جملے میں امام جعفر صادق علیہ السلام کا تعارف اس طرح پیش کیا ہے۔ "**ما رایت افقه من جعفر بن محمد**" یعنی میں نے جعفر بن محمد علیہما السلام سے بڑا فقیہ نہیں دیکھا [1] اہل سنت کے ایک اور امام مالک بن انسؒ نے کہا: میں کچھ عرصے تک جعفر بن محمد علیہما السلام کے پاس آتا جاتا رہا۔ میں نے انہیں ہمیشہ تین حالتوں میں سے ایک میں پایا: نماز کی حالت میں یا

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ذھبی ج ۱ ص ۱۶۶

روزے کی حالت میں یا قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہوئے۔

میرے عقیدے کے مطابق علم وعبادت کے حوالے سے کسی نے جعفر بن محمد الصادق علیہم السلام سے بڑھ کر، کسی شخص کو نہ دیکھا اور نہ کسی کے بارے میں سنا ہے [1] چونکہ اس کتاب میں نہایت اختصار کے ساتھ مطالب کو بیان کرنا مقصود ہے لہٰذا آئمہ اہل بیت کی شان میں دوسرے علماء اسلام کے تبصروں کا تذکرہ نہیں کرتے۔

۷۸۔اسلامی علوم میں شیعوں کا کردار:

ہمارا عقیدہ ہے کہ اسلامی علوم کو وجود بخشنے میں شیعوں کا بڑا اہم کردار رہا ہے۔ بعض لوگوں کا عقیدہ ہے کہ شیعہ علوم اسلامی کا سرچشمہ ہیں۔ یہاں تک کہ اس سلسلے میں کتاب یا کتابیں لکھی گئی ہیں اور ثبوت پیش کئے گئے ہیں لیکن ہم کہتے ہیں کہ کم ازکم ان علوم کو وجود میں لانے میں ان کا بہت بڑا حصہ ہے۔ اس بات کی سب سے بڑی دلیل وہ کتابیں ہیں جو شیعہ علماء نے مختلف اسلامی علوم اور فنون کے بارے میں لکھی ہیں۔

فقہ اور اصول فقہ میں ہزاروں کتابیں لکھی گئی ہیں جس میں کچھ بہت زیادہ مفصل اور بے نظیر ہیں۔ تفسیر اور قرآنی علوم میں ہزاروں کتابیں شیعوں نے لکھی ہیں۔ ان میں سے بہت سی کتابیں اب بھی ہماری لائبریریوں اور دنیا کی مشہور لائبریریوں میں موجود ہیں اور سب لوگوں کے سامنے ہیں۔ ہر شخص ان لائبریریوں کی طرف رجوع کر کے اس دعوے کی صداقت کا مشاہدہ کرسکتا ہے۔ ایک مشہور شیعہ عالم دین نے ان کتابوں کی فہرست مرتب کی ہے اور ۲۶ بڑی بڑی جلدوں میں ان کا ذکر کیا ہے۔ [2]

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۱۰۴ (کتاب الامام الصادقؑ ج ۱ ص ۵۳ میں اسد حیدر کے بقول)

[2] اس کتاب کا نام الذریعہ الی تصانیف الشیعہ ہے۔ اس کے مصنف مشہور مفسر اور محدث شیخ آقا بزرگ تہرانی ہیں۔ اس عظیم فہرست میں جن کتابوں کا تذکرہ ان کے مصنفین کے نام پتے اور ان کے حالات کے ساتھ ہوا ہے۔ ان کی تعداد ۶۸ ہزار جلدیں ہیں۔ یہ کتاب ایک عرصہ پہلے چھپ کر منظر عام پر آچکی ہیں۔

یہ فہرست دسیوں سال پہلے مرتب ہوئی۔ آخری عشروں کے دوران ایک طرف سے گزشتہ علماء کے عملی آثار کو زندہ کرنے نیز ان کی قلمی اور چھاپ شدہ کتابوں کو جمع کرنے کی بڑی کوششیں ہوئی ہیں۔ دوسری طرف سے جدید کتابوں کی تصنیف وتالیف کے میدان میں یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ سینکڑوں یا ہزاروں نئی کتابیں رشتہ تحریر میں لائی جاچکی ہیں اگرچہ ان کتابوں کے اعداد وشمار کے بارے میں ہم نے کوئی محتاط فہرست مرتب نہیں کی ہے۔

۷۹۔ سچائی ،صداقت اور امانت اسلام کے اہم ارکان :

ہمارا عقیدہ ہے کہ سچائی ،صداقت اور امانت اسلام کے اہم اور بنیادی ارکان میں سے ہیں۔قرآن مجید ارشاد فرماتا ہے:''قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ '' یعنی خدا فرماتا ہے آج وہ دن ہے کہ جس دن سچوں کی سچائی انہیں فائدہ پہنچائی گی (سورۃ مائدہ آیت ۱۱۹) بلکہ قرآن کی بعض آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے دن حقیقی جزا وہ ہے جو انسان کو سچائی اور صداقت (ایمان ،خدا کے ساتھ کئے گئے وعدوں پر عمل اور زندگی کے تمام شعبوں میں سچائی اور صداقت) کے بدلے میں عطا کی جائے گی۔''لِيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ ''(احزاب آیت ۲۴)

جیسا کہ پہلے اشارہ کیا جاچکا ہے قرآن کے حکم کے مطابق ہم سب مسلمانوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ ہم زندگی بھر معصومینؑ اور سچوں کے ساتھ رہیں اور ان کے ہمراہ چلیں۔

''يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ''(سورہ توبہ آیت ۱۱۹)

اس موضوع کی اہمیت کے پیش نظر ہی خدا نے اپنے پیغمبر کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ خدا سے ہر کام کو صداقت کے ساتھ شروع کرنے اور صداقت کے ساتھ اس سے فارغ ہونے کی توفیق طلب کرے''وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ ''(سورہ بنی اسرائیل آیت ۸۰)

اسی بنا پر ہم احادیث میں دیکھتے ہیں کہ خدا کی طرف سے کوئی نبی معبوث نہیں ہوا مگر یہ کہ اس کے بنیادی لائحہ عمل میں صداقت، سچائی اور امانت شامل تھیں۔ ''**ان الله عز و جل لم یبعث نبیا الایصدق الحدیث و اداء الامانة الی البر و الفاجر**'' [1]

ہم نے بھی ان آیات اور روایات کی روشنی میں اپنی پوری کوشش اس بات پر صرف کی ہے کہ اس کتاب کے مباحث میں صرف او رصرف صداقت وسچائی کا راستہ اپنائیں اور کوئی ایسی بات نہ کریں جو حقیقت اور امانت داری کے منافی ہو۔ امید ہے کہ خدا کے لطف وکرم سے ہم اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے میں خدا کی توفیق حاصل کر چکے ہوں گے۔ **انه ولی التوفیق**

۸۰۔ حرف آخر:

اس کتاب میں ذکر شدہ باتیں اسلام کے اصول وفروع کے بارے میں اہل بیتؑ کے معتقدین اور شیعوں کے عقائد کا خلاصہ ہیں یہ کسی کمی بیشی اور تحریف کے بغیر بیان ہوئی ہیں۔ قرآنی آیات، اسلامی روایات اور علمائے اسلام کی مختلف کتابوں سے ان کا ثبوت بھی اجمالی طور پر فراہم کردیا گیا ہے۔ اگرچہ ابحاث کے اختصار اور تلخیص کے پیش نظر تمام شواہد اور دلائل کو پیش کرنا ممکن نہ تھا۔ اس کتاب میں ہمارا مقصد بھی اجمالی طور پر اختصار کے ساتھ مطالب کو بیان کرنا تھا۔

ہمارا عقیدہ ہے کہ یہ کتاب مندرجہ ذیل نتائج کی حامل ہے۔

۱۔ مختصر ہونے کے ساتھ ساتھ یہ شیعہ عقائد کو واضح اور موثر انداز میں بیان کرتی ہے تمام اسلامی فرقے یہاں تک کہ غیر مسلم بھی اس مختصر سے کتابچے کا مطالعہ کرکے شیعہ مذہب کے

[1] بحارالانوار میں یہ حدیث حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے۔ (دیکھئے ج ۶۸ ص ۲ اور نیز ج ۲ ص ۱۰۴)

ماننے والوں کے عقائد سے براہ راست اجمالی طور پر آگاہ ہوسکتے ہیں۔اس کتاب کی تدوین میں بہت زیادہ زحمت اٹھائی گئی ہے۔

۲۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ یہ کتاب ان لوگوں کے لئے اتمام حجت کا باعث ہوسکتی ہے جو سمجھے اور جانے بغیر ہمارے عقائد کے متعلق فیصلہ کرتے ہیں نیز مشکوک اور مفاد پرست افراد یا غیر معتبر کتابوں سے ہمارے عقائد لیتے ہیں۔

۳۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ مذکورہ بالا عقائد کے مطالعے کی روشنی میں اس مکتب فکر کے ماننے والوں اور باقی اسلامی فرقوں میں اتنا بڑا اختلاف نہیں ہے جو اس فرقے اور باقی اسلامی فرقوں کے درمیان مشترکہ تعاون کی راہ میں رکاوٹ بنے کیونکہ تمام اسلامی فرقوں کے درمیان مشترکہ نکات بہت زیادہ ہیں اور سب کو مشترکہ دشمنوں کا بھی سامنا ہے۔

۴۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ اسلامی فرقوں کے اختلافات کو ہوا دینے اور ان کے درمیان جنگ اور خونریزی کی آگ بھڑکانے کے لئے خفیہ ہاتھ کام کررہے ہیں۔وہ چاہتے ہیں کہ اسلام (جو اس دور میں دنیا کے عظیم خطوں پر چھاتا جارہا ہے اور کمیونزم کی بربادی سے پیدا ہونے والے خلا کو پر کرنے والا ہے نیز سرمایہ دارانہ نظام کی روز بروز بڑھتی ہوئی لاینحل مادی مشکلات کو حل کرنے والا ہے) کو کمزور کریں۔

مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ اپنے دشمنوں کو اس بات کی اجازت نہ دیں کہ وہ اس کام میں کامیاب ہوں اور قیمتی موقع ہاتھ سے نکل جائے جو دنیا میں اسلام کی شناخت کے لئے ان کے ہاتھ آیا ہے۔

۵۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ اگر اسلامی فرقوں کے علماء اکھٹے ہوجائیں اور محبت وخلوص سے معمور ماحول میں ہر قسم کے تعصب اور ہٹ دھرمی کو بالائے طاق رکھ کر اختلافی مسائل پر بحث وگفتگو کریں تو ان اختلافات کے کم ہوجانے کا بہت زیادہ امکان ہے۔ہم یہ نہیں کہتے کہ سارے

اختلافات ختم ہوجائیں گے بلکہ یہ کہتے ہیں کہ اختلافات میں کمی آئے گی۔ جس طرح کچھ عرصہ پہلے ایران کے بعض شیعہ اورسنی علماء زاہدان نامی شہر میں متعدد دفعہ مل بیٹھے اور بعض اختلافات کا خاتمہ کردیا اس کی تفصیل اس مختصرسی کتاب کے دامن میں نہیں سماسکتی۔ [1]

آخر میں ہم خداوند متعال کی بارگاہ میں دعا کے لئے ہاتھ بلند کرتے ہیں اور عرض کرتے ہیں۔ "رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ○ " یعنی خدایا ہمیں معاف کردے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جنہوں نے ایمان میں ہم پر سبقت کی ہے اور ہمارے دلوں پر ایمان والوں کے لئے کسی قسم کا کینہ قرار نہ دینا۔ اے ہمارے پرودگار بے شک تو بڑا مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔ (سورہ حشر آیت ۱۰)

---

[1] اس کی تفصیلات: پیام حوزہ علمیہ قم نامی رسالے میں ملاحظہ ہوں۔